یوم الفرقان

(غزوۂ بدر)

مبلغ اسلام مولانا سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ
اردو بازار
لاہور

کتاب :- ———— یوم الفرقان (غزوۂ بدر)

مصنف :- ———— مبلغِ اسلام مولانا سیّد سعادت علی قادری

اصلاح و نظرِ ثانی ———— علامہ مولانا بدر القادری

اہتمام ———— سیّد عامر علی قادری

سالِ اشاعت ———— رمضان المبارک (اپریل ۱۹۸۸ء)

مطبع ———— بختیار پریس ۔ لاہور

ناشر ———— ضیاء القرآن پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ
۹، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

قیمت : [redacted] روپے

نذر

اُن کی جن کا ذکر ہو رہا ہے، جو ہمیں
نظر نہیں آتے لیکن ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں۔

ع گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اُستادِ محترم، غزالیِ زماں، حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ، کاظمی، امروہوی، رحمۃ اللہ علیہ، کے نام، جن کی، شفقت و محبت نے، مجھے ذوقِ مطالعہ بخشا، جن کے علم و فضل کا، نشان، مدرسہ انوار العلوم ملتان، آج بھی سرچشمہ فیضان ہے، خدا، اس درسگاہ کو ہمیشہ، آباد رکھے۔ اور میرے اُستاد کا فیض تا قیامت جاری رہے

فقیر محمد سید سعادت علی القادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"کتاب ایک نظر میں"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

مقدّمہ

مبلغِ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی القادری، کے مقالے "یوم الفرقان" کا مسودہ، میرے پیشِ نظر ہے، جو کہ تاریخِ اسلام کے، ایک اہم واقعہ "غزوۂ بدر" پر مولانا کی نہایت علمی اور تحقیقی تالیف ہے اس کے متعلق، بطورِ مقدمہ، چند سطور، لکھنا میرے لیے باعثِ فخر ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی مہذب معاشرہ جنگ و جدال کو پسند نہیں کرتا، لیکن یہ بھی مسلمہ امر ہے، کہ باغیرت اور باہمت قومیں، دشمن کی تلوار کا جواب تلوار سے ہی دیتی ہیں جب دشمن، میدانِ جنگ میں للکارتا ہے، تو پھر، وہ وقت تہذیب و شائستگی کے اظہار کا نہیں، بلکہ، اپنی طاقت و قوت کے مظاہرے، اور اپنی شجاعت و بہادری کا سکہ منوانے کا ہوتا ہے، میدانِ کارزار، کسی قوم کو یا تو گمنامی کے غار میں دھکیل دیتا ہے، یا پھر، مذہبی اور سیاسی، برتری و قیادت، اُسے نصیب ہوتی ہے۔

کسی حد تک یہ صحیح ہے کہ ہمیشہ، جنگ میں اُلجھے رہنا، قوموں کی ہمہ جہتی، تعمیر و ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ اور مستقل حالتِ جنگ، قوم کی ذہنی، نشوونما، پر بے حد، اثر انداز ہوتی ہے، لیکن مشاہدہ اور تاریخ، یہی بتاتی ہے، کہ جس قوم، اور مخصوص پیغام کے علمبردار، افراد کا مقابلہ، مخالفت کے طوفانوں اور

دشمن کی قوت سے نہ ہو، وہ قوم کبھی ترقی کی منزل نہیں پا سکتی۔ اور نہ ایسے افراد، اپنے مخصوص پیغام کی اشاعت و تبلیغ اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری پوری کر پاتے ہیں۔ اور نہ ہی، انہیں، وہ بلندی اور عظمت نصیب ہوتی ہے جو مخالف قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے، مزاحم قوت سے برسر پیکار ہونے ہی سے عزم جواں اور حوصلے بلند ہوتے ہیں، مشکلات و آزمائش کی تپش سے ہی، قوم کے افراد یا کسی نصب العین کے پیروکار، کندن بن کر نکلتے ہیں، مصائب و آلام کی گھڑیاں ہی مخلص و بے لوث، افراد کی شناخت کا ذریعہ بنتی ہیں۔

اسلام کے دشمنوں نے اہل اسلام پر جو الزام، بار، بار، لگایا، وہ یہی ہے کہ" یہ دین تلوار کے ذریعہ پھیلا اور جنگی فتوحات کی وجہ سے ہی، اسلامی حکومت، دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچی، لیکن یہ متعصب اور تاریخ سے بے بہرہ لوگ یہ نہیں جانتے، کہ مسلمانوں نے تو تلوار، اس وقت اُٹھائی، جب، اسلام کے منکروں نے، غلبۂ اسلام کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور وہ اس دین الٰہی کو مٹا دینے کے درپے ہوئے، اور، جب غیر مسلموں نے، اسلامی حکومت کو تسلیم کیا، تو پھر انہیں وہی حقوق و مراعات ملے جو اسلامی حکومت کے کسی بھی شہری کو حاصل تھے، اور پھر یہی غیر مسلم، اسلام کی حقانیت، اُس کی پُر اثر تعلیمات کا مشاہدہ کر کے، اُس سے مطمئن ہوئے اور انہوں نے بغیر کسی جبر کے، اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کیا، پس اسلام تلوار کے زور سے نہیں، بلکہ اُس دور کے مسلمانوں کے عظیم کردار سے پھیلا، اور بعد میں یہ نومسلم ہی اسلام کے مبلغ، بن کر دنیا کے گوشے، گوشے میں پھیلے، اور انہوں نے غلبۂ حق کے لیے، اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔

یہ بات واضح ہے کہ، ابتدائی دور کے مسلمان، اسلام کے پیغام کو متعارف کرانے کے لیے اور اُس سے، دنیا بھر کی اقوام سے تسلیم کرانے یا پھر، اسلامی حکومت

کے تابع رہ کر زندگی بسر کرنے کے مشن کے لیے، مسلسل جدوجہد کرتے رہے، اور یہی، نبی محترم رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عظیم مشن کی بنیاد ہے، اور ہر دور میں اسلامی حکومت کے پیشِ نظر یہی مقصد ہونا چاہئے، کہ،

دنیا کے تمام ممالک کو اسلامی پیغام سے روشناس کرایا جائے، اگر وہ اس پیغام کو تسلیم نہ کریں، تو پھر جنگ کے ذریعہ، ان کی سیاسی قوت و برتری کا خاتمہ کیا جائے تاکہ حکومت اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہو، اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام پوری قوت کے ساتھ ہو سکے، کیونکہ دنیا بھر کے انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا، مسلمانوں کی عظیم ذمہ داری ہے، اور جب غیر اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد اسلامی حکومت قائم ہو جائے، تو وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت، اس طرح دی جائے، کہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے وہ مشرف با سلام ہوں، اگر وہ اسلام قبول نہ کرنا چاہیں، تو اُن سے ٹیکس (جزیہ) وصول جائے، اور ان کے جان و مال، عزت و آبرو کی پوری طرح حفاظت کی جائے، اور ان کو، مسلمانوں ہی کی طرح باعزت شہری سمجھا جائے۔

اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے، کہ اسلام اپنے ماننے والوں اور خاص طور پر اسلامی حکومتوں اور سیاسی قوتوں سے اس جذبے کا خواہاں ہے، جس کے تحت غیر مسلم دنیا کے خلاف، برسرِ پیکار رہنا، مقصد اولین ہو، اس جذبہ کی بہترین مثال، خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک ہے، اور اسی کی پیروی، آپ کے جلیل القدر خلفائے راشدین، رضوان اللہ علیہم اجمعین، نے کی، خلیفۂ اول، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے، اپنے دورِ خلافت کا پہلا ہی فیصلہ یہ صادر فرمایا کہ، اُس لشکر کو، دشمن کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، جسے، عہد رسالتمآب میں ہی، روانہ ہونے کا حکم مل چکا تھا لہٰذا، یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے، کہ، اسلامی حکومت، ایک اعتبار سے، ہمیشہ ہی حالت جنگ میں رہتی ہے، کفر و شرک، کے خلاف، طاغوتی طاقتوں، گمراہ کن

تحریکوں، کے خلاف، یہی ہماری تاریخ ہے، یہی ہمارا ورثہ ہے، ہم زندہ رہیں، تو مجاہد و غازی، بن کر، مریں تو شہید ہو کر، ہماری یہ کیفیت رہے تو، قابلِ فخر ہے، اس جذبہ کو نہ صرف قائم رہنا چاہئے، بلکہ اُسے فروغ پذیر ہونا چاہئے، آج ہماری زندگی کا یہی حصہ کمزور تر ہوتا جا رہا ہے اور دشمن ہمیشہ کمزور حصہ پر ہی حملہ آور ہوتا ہے

رہی بات، اسلام دشمن طاقتوں کے مذموم پروپیگنڈے کی، تو ان کا مشن ہمیشہ یہی رہا اور رہے گا، کیا مخالفت کے خوف سے ہم اپنی منزل حاصل کرنے کی کوششیں ترک کر دیں! کیا طاقت کے عدم توازن، میں ہم اپنے عزم و حوصلے کو، ظاہری اسباب اور مادی وسائل کے دستیاب نہ ہونے کی بھینٹ چڑھا دیں، جب کہ مؤمن کی شان ہی، اللہ تعالیٰ کی عظیم تر قوت پر، اعتماد و یقین ہے، یہی مؤمن کا طرۂ امتیاز ہے، کیا خوب فرمایا، علامہ اقبال نے ؎

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دِل نہ کر قبول

کیا ہم اپنی تاریخ فراموش کر چکے ہیں، کہ نظامِ مصطفےٰ کے علمبردار، جب میدانِ کارزار میں آجاتے تھے۔ تو پھر وہ میدان سے بھاگنا، یا ناکام ہو کر واپس جانا، نہ جانتے تھے، وہ، جرأت و شجاعت کے فلک بوس ستون، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا ہی اپنے لیے عظیم سعادت اور بلند مقام سمجھتے تھے، ان کے سامنے دو ہی راستے ہوتے تھے، اور دونوں ہی کامیابی و کامرانی کے راستے ہیں، راہِ حق میں سر کٹا کر ابدی زندگی کے حصول کا راستہ، یا، اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کا سر قلم کر کے، مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو کر، بلندی کا راستہ، ان دونوں عظیم مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر وہ میدانِ جنگ میں اترتے تھے، اور دادِ شجاعت دیتے تھے، اس عزم کی موجودگی میں، ناکامی و شکست کا، کوئی تصور تک ان کے ذہن میں نہ آتا تھا، کہ ناکامی و نامرادی

کا خطرہ تو، اُسے ہوتا ہے، جس کے پیشِ نظر دنیا کا عیش و عشرت ہو اور اُسے یہ دنیا محبوب و مرغوب ہو، وہ عظیم شخصیات جو صرف حیاتِ جاوداں ہی کی خواہاں تھیں، بھلا شکست و فتح کے ظاہری اسباب کو کیونکر خیال میں لاتے، انہوں نے تو صرف ایک ہی منزل چُنی تھی، وہ فتح و کامرانی کی منزل تھی، بقا اور حیات کی منزل تھی، جو، شہید ہو کر بھی حاصل ہوتی ہے اور دشمن پر غالب آکر بھی، ان کا مقصد اور نصب العین صرف ایک ہی تھا۔

کٹ تو سکتی ہے یہ گردن پر لچک سکتی نہیں ؎

دنیائے اسلام تو کیا، دنیائے کفر کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ یہ نفوسِ قدسیہ جہاں زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کا حسین پیکر تھے، وہاں بہادری و شجاعت میں بھی اپنی مثال آپ ہی تھے، اُن کی راتیں مصلّے پر یادِ الٰہی میں محو ہو کر گزرتی تھیں اُن کی جبیں سجدوں سے معمور رہتی تھیں لیکن، دن میں، وہ دشمن کے مقابلے پر ایک آہنی چٹان بن جاتے تھے، ان کے فولادی عزائم کے سامنے کوئی ٹھیر نہ پاتا تھا، نورِ نبوی نے اُن کے اندر جو قوت و حوصلہ پیدا کر دیا تھا، وہ، ناقابلِ شکست بن گیا تھا، صحبتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اُن کے ایمان کو جو، جلا بخشی تھی وہ، ناقابلِ تسخیر تھی، نگاہِ رسالت کا، جو فیضان، اُن کو نصیب ہوا تھا، اُس سے وہ عزم و ہمت کا عظیم پہاڑ بن گئے تھے، دربارِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے وقت، تو یہ حلم و تواضع، عجز و انکساری کا نمونہ ہوتے تھے، لیکن جب باطل قوتوں سے نبرد آزما ہوتے، تو اِن سے بڑا تلوار کا دھنی کوئی نہ ہوتا تھا، ان سے زیادہ جری، نڈر، کوئی نظر نہ آتا تھا، اقبال نے ان کی خوبیوں کے حسین توازن کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے، ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

لیکن، افسوس یہ ہے، کہ کچھ تحریر نگاروں نے، غزوۂ بدر، کے حوالے سے جرأت واستقامت کے ان پیکروں کی شخصیت کا عکس، قارئین پر، کچھ اس طرح چھوڑنے کی کوشش کی ہے کہ جیسے وہ با دلِ نخواستہ میدانِ جنگ میں ڈھکیلے گئے، ان کی خواہشات کے برعکس، ان سے یہ جنگ لڑوائی گئی، اور حالات ایسے ہو گئے کہ انہیں فتح کا تاج مل گیا، اس قسم کے خود ساختہ نظریات کو جب قرآن کی تشریح وتفسیر قرار دیا جائے، اور، بزعم خویش، سب سے بہتر، قرآن فہمی کا دعوی کیا جائے تو ذہن ڈگمگاتا اور، دل، شکوک وشبہات کا شکار ہوتا ہے کہ کیا یہی تھے، وہ مثالی انسان اور سرِور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم ساتھی، جو حالات سے گھبراتے تھے، اور پُرخطر حالات کا مقابلہ، کرنے کی بجائے اُن سے، جی چراتے تھے، اور جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ونصرت پر اعتماد ویقین کی بجائے، مصلحتوں کا شکار تھے ایسا نہیں، اور ہرگز ایسا نہیں، تو پھر یہی ماننا پڑتا ہے کہ کسی بھی لمحے، ان حضرات کے نہ تو قدم ڈگمگائے اور، نہ ہی انہوں نے پست ہمتی اور مصلحت پسندی کا مظاہرہ کیا، یہ اللہ تعالی کی طرف سے منتخب حضرات تھے، اور خدائے لم یزل نے، بعداز انبیاء ورسل، نسل انسانی کے، مثالی، بہترین اور قابل تقلید انسانوں ہی کو فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھی اور معاون ہونے کا شرف عطا کیا تھا، اس کے باوجود، ان پر تنقید، کس قدر افسوسناک ہے۔

اس سلسلہ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی، کی ایک عبارت ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں۔

> چند سر فروش فدائیوں کے سوا، اکثر آدمی، جو اس خطرناک مہم (غزوۂ بدر) میں شریک تھے، دلوں میں سہم رہے تھے، اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا، کہ جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جا رہے ہیں

مصلحت پرست لوگ اگرچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے، جس میں، جان ومال کا زیاں ہو، اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے، اور، ان کا خیال تھا، کہ دینی جذبے نے ان لوگوں کو پاگل بنا دیا ہے، مگر، نبی اور مؤمنین صادقین، یہ سمجھ چکے تھے، کہ یہ وقت جان کی بازی لگا دینے کا ہی ہے، اس لیے، اللہ کے بھروسے پر وہ نکل کھڑے ہوئے، اور انہوں نے سیدھی جنوب مغرب کی راہ لی، جدھر سے قریش کا لشکر آرہا تھا، حالانکہ ابتداء میں قافلہ کو لوٹنا مقصود ہوتا، تو شمال مغرب کی راہ لی جاتی۔

(تفہیم القرآن، جلد دوم، سورۂ انفال، تاریخی پس منظر)

آپ نے ملاحظہ فرمایا، کہ، مولانا مودودی کے نزدیک، غزوۂ بدر، کے شرکاء میں ایسے حضرات موجود تھے، جو سراسیمگی میں مبتلا تھے، یہ لوگ چند ایک نہیں بلکہ اکثریت میں تھے، اُن کے بقول، یہ صحابہ کرام مصلحت پرست تھے، جو اگرچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، لیکن وہ ایسے ایمان کے قائل نہ تھے، جس میں جان ومال کا زیاں ہو۔ وہ اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے، کس کی دیوانگی؟ اس مہم کے لیے روانگی کا حکم تو سید المرسلین، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، پھر یہ دیوانگی کس کی تھی؟ وہ لوگ کسے دیوانہ سمجھ رہے تھے؟ قابل غور ہے یہ سوال، اس قسم کے نظریہ کی جسارت مولانا مودودی، ہی جیسا محقق کر سکتا ہے، ورنہ اگر اس مفروضہ پر، اس اہم تاریخی واقعہ کی بنیاد قائم کی جائے، تو تاریخ اسلام کی عظیم عمارت ڈھاتی ہوئی نظر آتی ہے اور شجاعت وہمت کا یہ مثالی اور یادگار واقعہ ہی غیر اہم، قرار نہ پائے گا بلکہ، رسول مکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، کی تمام وفاداریاں اور قربانیاں، مشکوک ہو

جائیں گی، پھر تو، یہ مقدس حضرات، ایک ایسا ٹولہ نظر آنے لگیں گے، جن کا مقصد (معاذاللہ) صرف ذاتی مفادات کا حصول تھا، وہ کس عظیم مقصد کو لے کر نہ اٹھے تھے، سرفروش نتھے، مگر بہت کم، ورنہ اکثر تو، حالات کے دھارے میں بہہ رہے تھے، سوچئے اگر یہ تصور کر لیا جائے، تو ہم اپنے کن اسلاف پر فخر کر سکیں گے، کس کی زندگی کو قابل تقلید قرار دیں گے، کس کی بات پر اعتبار کریں گے، قرآن و سنت کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے کس کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، پھر دین کا مرکز و منبع کسے قرار دیا جائے گا، پس ہم پناہ مانگتے ہیں، ہر ایسے نظریہ سے، جس سے اکابر و اسلاف کی شخصیات مجروح و ناقابل اعتبار نظر آنے لگیں۔

امت مسلمہ کا مؤقف، شروع سے آج تک یہی رہا ہے، کہ صاحب قاب قوسین محبوب رب المشرقین والمغربین، شفیع الاُمم، صاحب الجود والکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ہمت، اور عظیم المرتبت ساتھی ایسے تھے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش ابرو، پر اپنی جانیں قربان کر دینے کے لیے ہر آن تیار رہتے تھے، انہوں نے اپنی زندگیاں، حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی خواہش و احکام کے مطابق ڈھالنے کے لیے وقف کر رکھی تھیں، اور ہر لمحہ، حضور علیہ السلام کے حکم پر قربانی دینے کے لیے سر تسلیم خم رکھتے تھے، وہ کفار کے مقابلے میں، اگرچہ بظاہر کم ہوتے تھے، لیکن وہ افرادی قوت کے اعداد و شمار میں پڑنے والے اور طاقت و توانائی کے تخمینے لگانے والے نہ تھے، وہ سرکار کی قیادت و رہبری میں، پر خطر حالات کا مقابلہ بھی مسکراتے ہوئے کرتے تھے، کیونکہ ان کے لیے یہ کیا کم، وجہ تسکین تھی، کہ، خالق حقیقی کا محبوب ان کا آقا اور سپہ سالار ہے، چشم فلک نے ایسے کئی مناظر دیکھے، جب وہ عددی اقلیت کے باوجود، سرخرو، اور کامیاب و کامران لوٹے، فاتح اور غازی کہلائے "غزوۂ بدر" ہی پر غور کیجئے، اس میں ان مجاہدین نے بہادری کے جو عظیم کارنامے

دکھائے، وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے، ان کی بہادری کی داستان، مسلمانوں کو ہمیشہ جوش اور ولولہ فراہم کرتی رہے گی، آخر، ان کی کامیابی کا راز کیا تھا، کیا وہ اسلحہ کے ڈھیر پر ناز کرتے تھے، کیا مادی وسائل و ذرائع پر انہیں بھروسہ تھا، نہیں بلکہ، بقول حفیظ جالندھری ؎

بھروسہ تھا تو اک سادہ سی کملی والے پر

یہ نفوس قدسیہ ہر آزمائش میں پورے اترے، انہوں نے ہر مرحلے پر جان نثاری اور وفاشعاری کے ایسے لازوال نقوش چھوڑے جو تا ابد، درخشندہ تابندہ رہیں گے، ان حضرات کے خلوص و وفاداری پر شک کرنا عمارت ایمان کو متزلزل کرنا ہے مفتی محمد شفیع، زرقانی شرح مواہب اللدنیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

شرکاءِ بدر کی مقدس ہستیوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مقام ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ان حضرات کے نام پڑھ کر، جو دعا کی جائے، قبول ہوتی ہے، علماء و صالحین میں زمانہ دراز سے مصائب و حوادث، امراض و آفات سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجرب مانا گیا ہے، علامہ وزانی نے فرمایا کہ ہم نے مشائخ حدیث سے سنا ہے، کہ بخاری میں حضرات بدریین کے نام ذکر کرنے کے وقت جو دعا کی جائے، قبول ہوتی ہے، بارہا اس کا تجربہ کیا گیا ہے

(پیش لفظ، اسماء البدریین، مرتبہ مولانا سلیم اللہ)

رہے، وہ بدبخت لوگ جو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے باوجود، دلوں میں نفاق کے بیج بوئے رکھتے تھے، ان کے ظاہر و باطن میں بہت تضاد تھا، وہ تعداد میں جتنے بھی تھے، ان میں سے ہر ایک، کے متعلق حضور علیہ السلام کو علم تھا، اور حضور، ہر کسی کے باطنی حال سے آگاہ تھے، اور جیسا ضرورت

محسوس ہوئی، آپ نے، مجمع صحابہ میں۔۔۔۔۔۔ ان بدطینیت افراد کے ناموں کا اعلان بھی کر دیا، لیکن غزوہ بدر، کے شرکاء متعلق، کوئی غلط گمان بھی، ایمان کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے مترادف ہے،

امت مسلمہ کے جمیع، علماء و مفسرین، اس بات پر متفق ہیں، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، مدینہ منورہ سے ابوسفیان کے تجارتی قافلے، پر حملے کی غرض سے روانہ ہوئے تھے، راستہ میں، آپ نے، بدلے ہوئے حالات کے مطابق فیصلہ تبدیل فرمایا، اور مکہ، سے آنے والے، قریش کے مسلح لشکر کا مقابلہ کرنے کی غرض سے "بدر" پہنچے، جہاں، کفر و اسلام کی پہلی باقاعدہ جنگ ہوئی، جسے "غزوہ بدر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جہاں تک مولانا مودودی صاحب کے مفروضے کا تعلق، کہ لشکر مصطفوی، قافلے کو، لوٹنے، نکلا ہی نہ تھا، سراسر، قیاس آرائی پر مبنی ہے، جس کا وہ کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہ کر سکے، سوائے اس کے، کہ وہ حدیث و مغازی کی کتابوں میں وارد تمام روایات کو بلادلیل ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ اور اپنے خود ساختہ نظریہ کو علماء متقدمین و متاخرین سے، برتر و بالا جانتے ہیں، اور سیر و مغازی کی کتابوں میں وارد، تمام روایات کو قرآن کے خلاف اور ناقابل اعتماد، قرار دیتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ قریش کے تجارتی قافلے پر حملے کے پروگرام کو اس لیے خارج از امکان قرار دیتے ہیں، کہ وہ اپنی جدت پسندی کی وجہ سے، اس قافلے کو روکنے یا اس پر حملہ آور ہونے کی کوئی توجیہہ پیش کرنے سے قاصر ہیں جب کہ مقالے کے مؤلف علامہ سید سعادت علی قادری نے، اس پہلو کو بڑی خوبصورتی سے، یوں اجاگر کیا ہے۔

"اس قافلہ تجارت پر حضور علیہ السلام کی توجہ صرف اس لیے

ہوئی، کہ اس کا مال و اسباب، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، استعمال کیئے جانے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا، لہٰذا مسلمانوں نے طے کیا، کہ وسائلِ جنگ کو ہی ختم کر دیا جائے، تاکہ جنگ نہ ہونے پائے، جانیں ضائع نہ ہوں، اور بدامنی نہ پھیلے، لیکن کفارِ قریش نہ مانے، ان کا قافلہ، بعافیت نکل گیا پھر بھی وہ مسلمانوں سے آ ٹکرائے، اور پھر جو ہونا تھا، سو، ہو کر رہا، حضور علیہ السلام کا یہ عمل ایک ایسی ہی سیاسی تدبیر تھا، جیسی تدابیر آج بھی، دشمن کو کمزور کرنے، ڈرانے، اور اُس پر اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کی غرض سے کی جاتی ہیں۔"

علامہ قادری، کا موقف حقیقت پر مبنی ہے۔ اور ان کی تحریر، حبیب رسول وعظمتِ صحابہ کی، نگہبان بھی نظر آتی ہے۔ ان کا نظریہ نیا نہیں، امت کے قدیم وجدید علماء کی اکثریت اسی نظریہ پر قائم رہی ہے۔ علامہ نے، اپنے مقالہ میں، اس حقیقت کو بڑی وضاحت کے ساتھ، دلائل وحوالاجات سے بیان کیا ہے۔ مقالے کا یہ حصہ، یقیناً، قارئین کے لیے، نہایت مفید ثابت ہوگا۔

تفسیر ابن کثیر کو، تفاسیر میں جو مقام حاصل ہے، اُس سے اہل علم بخوبی واقف ہیں، بعد میں تفسیر لکھنے والے زیادہ تر مفسرین نے۔ تفسیر ابن کثیر سے، استفادہ کیا ہے، اس وقت، ہمارے پیش نظر بھی یہی تفسیر ہے یہاں، علامہ اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ انفال کی تشریح کرتے ہوئے غزوۂ بدر سے متعلق جو روایات نقل کی ہیں، ہم ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جس سے، علامہ قادری کے مؤقف کی مزید تائید ہو رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، مدینہ منورہ سے ابوسفیان کے قافلے کا

راستہ روکنے نکلے تھے، کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا، کہ یہ قافلہ ملکِ شام سے، قریش کے لیے، بہت مال واسباب لے کر روانہ ہو چکا ہے، بعد میں جب لشکرِ کفار سے جنگ کا فیصلہ کیا گیا، تو صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے تو قافلہ کو روکنے کا فیصلہ فرمایا تھا، ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی، ورنہ ہم گھر سے، جنگ کے لیے تیار ہو کر نکلتے، یعنی، مدینہ منورہ سے چلتے وقت جنگ کے متعلق ارادہ ہی نہ تھا، راستے میں، مرضی الٰہی کے مطابق قافلۂ تجارت یا لشکرِ قریش (جو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ ہو چکا تھا) میں سے کسی ایک ٹکراؤ ہونے سے آگاہ کیا گیا، یعنی یہ ارشاد ہوا، کہ دو میں ایک چیز تمہیں ملے گی، یا تو قافلے کو لوٹ لو، یا لشکرِ کفار کا مقابلہ کرو، مسلمان چونکہ ارادۂ جنگ سے نہیں چلے تھے، اس لیے، اکثر کی رائے یہی تھی، کہ قافلے کو لوٹ لیا جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے، یہ حدیث بھی منقول ہے، کہ حضور علیہ السلام نے صحابہ سے ارشاد فرمایا،

کہ مجھے خبر ملی ہے، کہ ابو سفیان قافلہ لے کر آ رہا ہے، تم لوگ کیا کہتے ہو، کیا اس قافلے کا راستہ روکنے کے لیے ہم سب نکل پڑیں، ممکن ہے، تم لوگوں کو بہت کچھ مال و دولت مل جائے ابو ایوب فرماتے ہیں، ہم نے عرض کیا، ضرور، چلنا چاہیئے چنانچہ مدینہ منورہ سے، اسی ارادے سے چلے، اور، راستے میں، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ کافروں سے جنگ کرنے کے متعلق تمہاری

کیا را مے ہے، کیونکہ انہیں، اس بات کی خبر ہو گئی ہے۔ کہ تم قافلے کو روکنے کے لیے چل پڑے ہو، اس موقع پر بعض مسلمانوں نے قافلۂ تجارت کا تعاقب کرنے ہی کا مشورہ دیا، کیونکہ حضور علیہ السلام نے مشورہ ہی طلب فرمایا تھا، جب صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی رضا ورغبت دیکھی، کہ آپ، لشکرِ قریش ہی کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو سب نے، آپ کے حکم کو تسلیم کیا، اور لشکرِ اسلام، لشکرِ کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے چل پڑا،۔

اُردو تفاسیر میں، علامہ ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری، ایک ضخیم تفسیر ہے سورۂ انفال ہی میں غزوۂ بدر، کے ضمن میں وہ اسلامی لشکر کی مدینہ منورہ سے روانگی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

بہت سے لوگ ساتھ نہیں بھی گئے، مگر ان کو قابلِ ملامت قرار نہیں دیا گیا، کیونکہ ان کو خیال بھی نہ تھا، کہ، کوئی جنگ بھی پیش آسکتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے بھی کوئی زیادہ اہتمام نہ فرمایا حتیٰ کہ جب کچھ صحابہ نے اجازت چاہی، کہ ہماری سواریاں بالائی مدینہ میں ہیں، ہم جا کر لے آئیں، تو آپ نے فرمایا، نہیں بس وہ لوگ ساتھ چلیں جن کے پاس سواریاں موجود ہیں۔

صدر الافاضل، حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی، امام اہل سنت حضرت علامہ الشاہ احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ میں لشکرِ قریش پر حملے کے فیصلے کے وقت صحابہ کرام کی تشویش اور پھر حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی منظر کشی اس طرح فرماتے ہیں۔

بعض کو یہ عذر ہوا، کہ ہم تیاری سے نہیں چلے تھے، نہ ہماری تعداد اتنی ہے اور نہ ہی ہمارے پاس سامان و اسلحہ کافی ہے، یہ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گراں گذرا، اور آپ نے فرمایا، قافلہ تو ساحل کی طرف نکل گیا، ابوجہل سامنے آرہا ہے، اس پر ان لوگوں نے پھر عرض کیا، یارسول اللہ! قافلے ہی کا تعاقب کیجئے، اور لشکرِ دشمن کو چھوڑ دیجئے، یہ بات، ناگوارِ خاطرِ اقدس ہوئی، تو حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر، اپنے اخلاص و فرمانبرداری، اور، رضاجوئی و جاں نثاری کا اظہار کیا، اور بڑے ہی قوت و استحکام کے ساتھ عرض کی، کہ وہ کسی طرح بھی مرضی مبارک کے خلاف گستنی کرنے والے نہیں ہیں پھر اور صحابہ نے بھی عرض کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو جو امر فرمایا ہے، اس کے مطابق تشریف لے چلیں، ہم ہر طرح ساتھ ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی، اس واقعہ کو یوں لکھتے ہیں۔

چونکہ بارادہ مقابلہ لشکر نہ آئے تھے، اور اس سامان حرب کافی ساتھ نہ تھا و نیز خود تین سو، چند آدمی تھے، اور لشکر میں ایک ہزار آدمی تھے، اس لیے بعض کو پس و پیش ہوا، اور عرض کیا، کہ، اس لشکر کا مقابلہ نہ کیجئے بلکہ قافلے کا تعاقب مناسب ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی، موضح القرآن میں رقمطراز ہیں۔

طبری کے بیان کے مطابق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی، کیونکہ، انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کے لیے بڑا اجتماع و اہتمام کیا جائے، چونکہ کسی بڑے لشکر سے مڈبھیڑ

ہونے کی توقع نہ تھی، اس لیے جمعیت اور سامان، اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہ کیا گیا، فی الوقت جو لوگ اکھٹے ہو گئے، سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے اسی لیے بخاری کی روایت ہیں، حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں، جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے، ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور علیہ السلام صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے، اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی۔

شیعہ مترجم قرآن، حافظ فرمان علی نے بھی تقریباً اسی طرح، اس واقعہ کو بیان کیا، ممتاز سیرت نگار، علامہ نور بخش توکلی لکھتے ہیں،

واضح رہے کہ مسلمان محض قافلہ قریش سے تعرض کے لیے نکلے تھے، ان کو علم نہ تھا کہ فوجِ قریش سے مقابلہ کرنا پڑے گا، اس لیے پوری تا تمام تیاری کی گئی۔

ان تمام اقتباسات کو درج کرنے کا مقصد یہ تھا، کہ یہ بات واضح ہو جائے، کہ مدینہ منورہ سے روانگی صرف ابوسفیان کی قیادت میں آنے والے، قافلے پر حملہ کرنے کے لیے ہوئی تھی، راستے میں حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق، لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ ہوا صحیح روایات سے یہی ثابت ہے، اور قرآن کریم کی آیات بھی اسی قدر تصدیق کرتی ہیں۔

اگر بعض صحابہ نے، قافلۂ تجارت پر حملہ کا مشورہ دیا تھا، تو صرف اس مشورہ کی بناء پر، ان کے عزائم اور شجاعت پر شک کرنا، بہت بڑی زیادتی ہے، خود حضور علیہ السلام نے ان حضرات کے چلنے کا حکم دیا، جن کے پاس سواریاں موجود تھیں، قافلۂ تجارت کی اس مہم میں جو صحابہ کرام تشریف نہ لے گئے، ان کا دربارِ رسالت میں کوئی مواخذہ نہ ہوا، اس لیے جو حضرات اس مہم میں شریک نہ ہوئے، ان کے متعلق، مولانا مودودی کے یہ الفاظ، مصلحت پرست لوگ جو اگرچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، مگر ایسے ایمان کے قائل

نہ تھے، جس میں جان ومال کا زیاں ہو، اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے، اوران کا خیال تھا، کہ دینی جذبے نے ان کو پاگل بنا دیا ہے"، ان کے اپنے خیالات کے ترجمان ہوں تو اور بات ہے، ورنہ قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام میں، اس قسم کے ریمارکس کی کوئی شہادت نہیں ملتی، علماء محققین، مفسرین اور مؤرخین نے اس بات کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے، کہ مدینہ منورہ سے چلتے وقت، حضور نے ابوسفیان کے تجارتی قافلے پر حملے ہی کا منصوبہ بنایا تھا، نہ کہ مکہ مکرمہ سے آنے والے لشکرِ قریش پر حملے کا، ہاں یہ بات ضرور تھی، کہ جب حضور علیہ السلام نے، لشکرِ قریش پر حملے کا فیصلہ فرمایا، تو بعض صحابہ کرام پر بار ہوا، قرآن کریم میں ہے۔

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِهُوْنَ ۙ

اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا (پ۹ سورۂ انفال، ۵)

اس سے یہ بات تو طے ہو گئی کہ حملے کے فیصلے سے ناخوش ہونے والے بھی مسلمان ہی تھے۔ مگر اسے، ان کی بزدلی، یا، ان کی مصلحت پسندی نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ علامہ سید سعادت علی القادری کی طرح، عظمت صحابہ کو برقرار، رکھتے ہوئے، اُن کے اِس خیال کی صحیح تعبیر نکالنا چاہئے، آئندہ صفحات پر آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، یہاں علامہ کی تحریر کا ایک حصہ ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں ۔

اس موقع پر بعض صحابہ کو خیال ہوا، کہ ہم تو جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں نکلے، بے سروسامان ہیں، جب کہ دشمن پوری طرح لیس ہو کر آیا ہے وہ ہم سے تعداد میں بھی زیادہ ہے، ہتھیار بھی پورے لایا ہے، اس حال میں، اس کے سامنے جانا، اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینا ہے صحابہ کا یہ خیال بالکل فطری تھا، جیسا کہ عام لوگوں کو ایسے موقع پر خیال ہوتا ہے، یہ، نہ تو ان کے تقوے کے خلاف تھا، اور نہ ہی حضور علیہ السلام

کی اطاعت و فرمانبرداری سے گریز تھا،

شاید، اس موقع پر بعض جدید تعلیم یافتہ حضرات کا ذہن اس طرف جائے کہ، کیا نہتے، تجارتی قافلوں پر حملہ کرنا جائز ہے۔ اور کیا ایسا کرنا مناسب تھا! اس سوال کے متعلق، عہد حاضر کے ممتاز، اسکالر، اور شہرۂ آفاق، اسلامی کتب کے مصنف اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ خان نے، علامہ قادری کے نام، پیرس سے، اپنے حالیہ مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے، وہ قابل غور ہے، وہ لکھتے ہیں۔

شاید، آپ پوچھیں گے، کہ، کیا کاروانوں کو لوٹنا جائز ہے! یہی اعتراض دشمن مستشرقین کرتے ہیں، اور یہی سوال مجھ سے، کوئی پچاس سال قبل، پیرس میں ڈاکٹری کے، مقالے، کے امتحان کے وقت میرے ممتحن، پروفیسر نے کیا تھا، میں نے جواب دیا تھا، کہ جب دو مملکتوں میں جنگ چھڑی ہوتی ہے، اور مکہ و مدینہ، دو مملکتیں تھیں، تو ہر ایک کو دشمن کی جان اور مال کو نقصان پہنچانے کا حق ہوتا ہے۔ (جیسا کہ حالیہ جنگ میں فرانس اور جرمنی کو حق تھا) اور، یہ، نہ بھلایا جائے، کہ قریش نے مسلمانوں کی جائدادیں، جو مکہ میں، ہجرت کے وقت رہ گئی تھیں، ضبط کر لی تھیں بہت سے مسلمانوں کو مکہ، میں جان سے مار ڈالا تھا، اور خود، رسول اللہ کو قتل کرنے کا منصوبہ کیا تھا، اور، یہ گویا، اسلامی مملکت کے خلاف اعلانِ جنگ تھا میں نے، پروفیسر صاحب کو، یہ بھی کہا تھا، کہ قافلوں کو، لوٹنا معاشی دباؤ، ڈالنا تھا، نہ کہ بے قصور، معصوم مسافروں کا مال لوٹنا، اس پر وہ کہنے لگے، کہ یہ نئی، اصطلاح ہے میں نے کہا، اصطلاح نئی ہے، لیکن، دشمن پر دباؤ ڈالنا پرانا معاملہ ہے، ہمیشہ

ہوتا رہا ہے، اور، مملکت اسلامی، کے سپہ سالار (رسول اکرم ﷺ)
نے بھی یہی کیا، اس پر وہ، چپ ہو گئے اور نہ مجھے امتحان میں کامیاب
کر دیا۔

اسلام کو دہشت گردی اور جنگ وجدل کا مذہب قرار دینے والے، اس بات کا تو پروپیگنڈہ کرتے ہیں، کہ نبی کریم علیہ السلام کے دور میں، کفر کے خلاف چھہتر جنگیں ہوئیں جن میں ستائیس کی کمان خود حضور علیہ السلام نے سنبھالی، لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں، کہ ان جنگوں کے، نتیجہ میں، دس سال کے اندر، دشمن کی افواج کے جو سپاہی مارے گئے، ان کی تعداد صرف، دو افراد ماہانہ بنتی ہے، جب کہ مسلمان شہداء کی تعداد اس سے کہیں کم ہے، فتوحات کے اعتبار سے یہ جنگیں کامیاب ترین تھیں، کہ دس سالہ، مدنی دور کی ان جنگوں میں دو سو چھہتر مربع میل کا علاقہ، بھاب یومیہ فتح ہوا، یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سپہ سالاری کا اعجاز تھا، لیکن جہاں تک انسانی جانوں کے ضیاع کا تعلق ہے، تو ان کی تعداد، ہمارے دور کی، ایک معمولی چھڑپ سے بھی کم ہے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں انسانیت کی جس قدر تباہی وبربادی ہوئی اور، ہیروشیما، ناگاساگی میں انسانی خون جس قدر، بے دردی سے بہا، اُسے سامنے رکھا جائے، اور جس طرح آج سپر پاورز، انسان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے سائنسی تحقیقات کے نام پر مصروفِ عمل ہیں، اس پر غور کیا جائے، تو یہ حقیقت تسلیم کرنا ہو گی، کہ اسلام ہی امن وسلامتی اور انسانیت کے لیے، عزت واحترام کا، پیغامبر ہے، انسانیت کو امن وسکون صرف دینِ مصطفےٰ ہی اختیار کرنے سے نصیب ہو سکتا ہے، رسولِ رحمت کا پیغام ہی رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

مبلغِ اسلام، علامہ سید سعادت علی القادری سے، یوں تو، ایک عرصہ سے غائبانہ تعارف تھا، لیکن ملاقات کا موقع، بیلجیم میں، اُس وقت ملا، جب امام اینڈ ماسک کونسل برطانیہ کی طرف سے، بحیثیت، امام وخطیب، میرا تقرر، پاکستان

اسلامک سینٹر بروسلز، کے پیلے ہوا، علامہ کے خاندان سے، میرے خاندان کے قدیم روحانی وعلمی روابط ہیں، میرے والدمحترم حضرت پیرطریقت میاں محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین، دربار قادریہ فتحیہ، جلالپور، پیروالا، (ضلع ملتان) کے، حضرت علامہ قادری کے عظیم المرتبت والدگرامی حضرت علامہ مفتی سید مسعود علی شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت پرخلوص تعلقات تھے، حضرت قبلہ مفتی مرحیب علیہ الرحمہ، مرشدی حضرت قبلہ، غزالی زماں السید احمد سعید شاہ کاظمی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ، شمالی درسگاہ، مدرسہ انوارالعلوم ملتان میں، مفتی ونائب مہتمم کے منصب جلیلہ پرفائز تھے میرے برادران ذی وقار، زید مجدھما کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے، علامہ قادری، میرے پیرومرشد، علامہ کاظمی علیہ الرحمہ، کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں، استاد اور والد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی میراث کے امین ہیں، مختلف اسلامی موضوعات پر، موصوف کے مقالات، اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرا چکے ہیں، خصوصاً مقالات قادری، قابل تعریف ہیں، جو تین جلدوں میں تقریباً بارہ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔

غزوۂ بدر، کے موضوع پر، علامہ سید سعادت علی القادری کا، پیش نظر، مقالہ "یوم الفرقان"، بلاشبہ، علامہ صاحب کی ایک علمی، تحقیقی کاوش ہے، جس میں آپ نے کفرو اسلام کے پہلے معرکہ سے متعلق، تمام حقائق وشواہد کو بڑی خوبصورتی سے نہایت سادہ زبان میں یکجا کر دیا ہے، اور، اس طرح جو مواد مختلف کتابوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اب ایک، کتابی شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ مؤلف نے صرف واقعات کی ترتیب ہی کا خیال نہیں رکھا ہے، بلکہ مختلف بنیادی وضمنی عنوانات کے تحت متفرق ومنتشر واقعات کو جمع کر کے، قارئین کے لیے مزید سہولت پیدا کر دی ہے علامہ موصوف کی تحریر حُبِّ رسول میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے، ان کا ہر لفظ حضور کے ساتھ، ان کی والہانہ عقیدت کا ترجمان معلوم ہوتا ہے۔ اس مقالے میں، آپ کو،

کئی ایسے مقامات ملیں گے۔ جہاں علامہ، بعض واقعات کو ایک نئے انداز سے رقم کر رہے ہیں، جس سے اُن کا مقصد، مقام مصطفےٰ کو اجاگر کرنا ہے، کافروں پر حضور علیہ السلام کی طرف سے خاک پھینکنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

غزوہ بدر میں اور اس سے پہلے ہجرت کے موقع پر گھر سے نکلتے وقت اس کے بعد غزوہ حنین میں، تین مرتبہ، کافروں پر خاک و کنکریاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کے دستِ مبارک سے برسوائیں، تاکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اب دنیا میں ہماری عطاو دین سے، وہ قوت و قدرت والا نبی موجود ہے، جس کی رضا و خوشنودی، ہمارے رحم و کرم کی برسات کا ذریعہ ہے اور اس سے بغاوت اُس کی حکم عدولی، اس کی ناراضگی، ہمارے عتاب و عذاب کے نزول کا سبب ہے، نیز اب ہم جو کچھ دیتے ہیں اس نبی کے ہی واسطہ اور وسیلہ سے دیتے ہیں، اب کافروں پر کنکریاں برسوانے کے لیے، ہم نہ تو فرشتوں کو بھیجیں گے، نہ ابابیل کو حکم دیں گے اب اگر انسان میرے نبی سے بغاوت کرے گا، تو نبی ہی سے اُس کو تباہ کرایا جائے گا۔

مجاہدین اسلام کے عزم و حوصلہ اور لشکر کفار کے غرور و تکبر کا موازنہ، کرتے ہوئے لکھتے ہیں

مجاہدین اسلام کے سامنے، خدا کی رضا، رسول کی اطاعت اور اسلام کو غالب کرنے کا ایسا جذبہ تھا، جس کی تکمیل کے لیے اُن کے دل میں اب نہ تو کسی چیز کی محبت باقی رہی تھی نہ ہی ذہن میں کسی کی قوت کا تصور اور کسی کے ڈر کا خیال رہا تھا، انہیں جنت کے، باغات، سامنے نظر آرہے تھے، جن کی راہ میں چند پتھر یا چند کانٹے، کافروں کی صورت میں تھے، وہ انہیں بہت کم نظر آئے۔ پس انہوں نے عزم کر لیا، کہ

ان پتھروں اور، کانٹوں کو ہٹاتے، کاٹتے، ہمیں اپنی منزل تک بہر حال پہنچنا ہے، اور اہل باطن کو تکبر و غرور تعداد وسائل کی کثرت پر اعتماد، شہرت و عزت کی ہوس نے شیطان کے مکر و فریب، نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ صبر و استقامت شجاعت و دلیری کے سورج، ان کے سامنے چمک رہے تھے، لیکن انہیں تو ایسا نظر آ رہا تھا کہ سامنے چند چراغ ٹمٹما رہے ہیں، بس ہم نے پھونک ماری اور یہ ہمیشہ کے لیے بجھے اور فرعونیت کا تاج ہمیں ملا، حق و باطل کی آویزش کل بھی تھی آج بھی ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی دنیائے کفر آج بھی دنیائے اسلام سے برسر پیکار ہے، اور اسلام کے خلاف ہر طرح سے مصروف عمل ہے، لیکن مسلمان حکومتیں ہوں، یا، اسلامی معاشرے کے افراد ان کی اکثریت اپنی تاریخ سے سبق حاصل کرتے اور دنیائے کفر کے سامنے، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کی بجائے انہی کی ذہنی غلامی کا شکار ہیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

"یوم الفرقان"، کا مطالعہ کیجئے، غور سے پڑھئے، دل میں وہی جذبات، بیدار ہوں گے جو ہمیشہ اہل ایمان کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ رہے ہیں، دعا ہے، رب ذوالجلال والاکرام سے، کہ حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی القادری، کی یہ محنت و کاوش کامیاب ہو، بارگاہِ شہداءِ بدر میں مقبول ہو۔

از: (علامہ) پیرزادہ سردار احمد قادری
بی، اے، ایل، ایل، بی
امام و خطیب پاکستان اسلامک سینٹر، برسلز، بیلجیم، ۸/ جولائی ۱۹۸۷ء

کلماتِ بدر

مسلمان کی زندگی بھی حق و ناحق کی کشاکش سے عبارت ہے ـــــ اسبابِ حیات کے ساتھ ساتھ نفس و شیطان نیز انسانی مفاسد سے نبرد آزمائی ـــــ روز کا کام ہے ایسے میں اگر مقدس زندگیوں کے نقوش، کتاب و سنت کی قندیل ـــــ سیرت رسول کی شعاعیں مشعل راہ نہ ہوں تو ـــــ حق و باطل کی راہیں، آپس میں ـــــ گڈ مڈ ہو جائیں

اندھیری شب میں اگر تیری یاد ساتھ نہ دے
تو لمحہ لمحہ سفر کا طویل ہو جائے

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ـــــ ہمارے سبھی مراحل حیات کے لیے مینار رشد و ہدایت ہے غزوۂ بدر کبریٰ ـــــ خصوصیت کے ساتھ اپنے دامن میں ـــــ آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات عالیہ ـــــ علم، تدبیر، تفکر جرأت و عزیمت، شجاعت و بسالت ـــــ حکمت و دانائی ـــــ فراست و ذکاوت ـــــ معجزات و خوارق کا ایک جہان روشن لیے ہوئے ہے

۱۷/رمضان المبارک سنہ ۲ھ/۱۳/مارچ ۶۲۴ء کو سرزمین بدر پر کفار قریش

لہ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ البدر ـــــ سیرت ابن اسحاق باب غزوۃ البدر ـــــ سیرت ابن ہشام اردو باب ۹۴

سے جو مڈبھیڑ ہوئی ــــ اسے محض ایک جنگ ایک لڑائی ــ ایک معرکہ ــــ نہ سمجھا جائے ــــ بلکہ وہ انسانی تاریخ میں احقاق حق ــــ اور ابطال باطل کی نہایت عظیم الشان درسگاہ تھی ــــ جہاں خدائی قوت اور باطل پرستوں کا مقابلہ تھا ــــ آدم وابلیس ــــ ابراہیم ونمرود کلیم وفرعون سے ہوتی ہوئی جو داستانِ حق آگے بڑھ رہی تھی ــــ خاتم المرسلین فداہٗ امی وابی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ــــ اس جہاد سرفروشی کی تاریخ کا ــــ آخری باب وہاں سے شروع ہوا ــــ جس کے ذریعہ اسلام کو بالآخر فاتح عالم بننا تھا۔

اس لحاظ سے ہر مسلمان بچے کے لیے اس کی واقفیت ازحد ضروری ہے ــــ اور کارگاہ ہستی میں قدم قدم پر ہمیں ان نقوش سیرت سے جو اسباق ملتے ہیں۔ وہ ان حقائق سے لبریز ہیں کہ۔

* رسول خدا، خاتم النبین اور محبوب رب العالمین ہونے کے باوجود، غم والم تکالیف ومشاکل سے آپ بھی بری نہیں۔
* پیغمبر اعظم، اور مختار کل ہوتے ہوئے حضور نے وسائل حیات کا ہر موقع پر نہایت جتن سے اہتمام فرمایا، تاکہ ہمارے لیے نمونۂ عمل مرتب ہو۔ حالانکہ زمین وآسمان اور شجر وحجر سب آپ کے حکم کے غلام ہیں۔
* دین ودنیا کے تمام امور ہیں۔ اہتمام۔ انتظام۔ اور سلیقہ مندی۔ اور پروگرام بندی آپ کی سنت ہے۔
* جہاد وغزوہ ہو یا عام حالات۔ اعتماد علی اللہ ــــ اس کا شکر وامتنان کولازمہ حیات سمجھنا چاہیئے۔
* عدل وانصاف اور سچائی کی راہ سخت مراحل میں بھی ترک نہیں کی جاتی، مخالف قوت خواہ کتنی ہی بے اعتدال کیوں نہ ہو۔

اس قسم کے قیمتی اسباق ـــــ تاریخ اسلام کے اس عظیم معرکہ کی تہ میں نظر آتے ہیں ۔

نگاہِ اہل محبت اگر عرفان و شعور کی دولت سے مالا مال ہو تو سیرت رسول اکرم ؐ حیاتِ صحابہ، اور سلفِ صالحین کی زندگیاں مراکز انوار ہیں ـــــ اہل اللہ کے فیوض وکرم کا کیا کہنا ـــــ انوار و برکات بھی دیتے ہیں ـــــ اور آداب زندگی کا سلیقہ بھی ـــــ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ میدان قادسیہ سے گزرتے ہوئے ـــــ خود کو اپنے اونٹ سے نیچے گرا دیتے ہیں ـــــ خاک قادسیہ پر لوٹتے لوٹتے اپنے پورے جسم و لباس کو خاک آلود کر لیتے ہیں ظاہر بیں نگاہیں حیران و ششدر ہیں ـــــ کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے ـ ! فرمایا

"اسلام و کفر کے معرکہ میں سیدنا خالد بن ولید سیف اللہ الغالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا گھوڑا اس میدان میں دوڑا تھا ـــــ اس کے سمندِ اقبال سے جو انوار و برکات اس زمین کی خاک میں آ گئے ـــــ اس کی تابانیاں میری آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں ۔ انہی انوار و برکات کو جذب کرنے کے لیے ـــــ میں اس خاک پاک پر لوٹنے لگا ۔

آیئے ہم بھی ـــــ وادیٔ بدر ـــــ کے ان مقدس ذرات کو تہنیت شوق ـــــ اور سلام خلوص و عقیدت گزاریں جن کے ـــــ تابان و درخشاں انوار نے عالم ہستی کی کایا ہی پلٹ دی ۔

وادیٔ بدر تری خاک کی عظمت کو سلام
تجھ پہ لکھی گئی تاریخ نبوت کو سلام
اولیں معرکہ باطل و حق تجھ پہ ہوا
تجھ پہ جو اتری اس اللہ کی نصرت کو سلام

تجھ پہ اترا تھا فرشتوں کا جو لشکر اس دن
اس پہ اور اس کے امیرِ قوی حشمت کو سلام
رحمتیں، ان پہ جو یہ لیٹے ہیں یہاں ہوئے شہید
ان کے اخلاص کو ایثار کو جرأت کو سلام
ہو درود آقا پہ اور ان کے سب اصحاب پہ بدر
ان کی اولاد کو احفاد کو عترت کو سلام

بڑے ہی دیدہ ور ہیں ــــــ صدیق محترم مبلغ اسلام حضرت علامہ السید سعادت علی القادری مدظلہ العالی دامت برکاتہم ــــــ جنھوں نے وقت کی نبض شناسی کرتے ہوئے ــــــ "یوم الفرقان" کے روشن اسباق ــــــ بڑے ہی دلنشین اور سادے اسلوب میں ــــــ سپرد قلم فرمائے ــــــ اور بدامنی انتشار و افتراق زدہ مسلمانوں کو ــــــ پیغمبر امن و آشتی علیہ التحیۃ والسلام ــــــ سے اکتساب و استبشار کا موقع فراہم کیا ــــــ قرطاس و قلم کی دیانت کا حق ادا کرتے ہوئے ــــــ مولانا محترم نے کچھ جریرت مآب محققین کی گرفت بھی کی ہے ــــــ ویسے مولانا محترم کی تحریریں نقد و نظر ــــــ اور مناظرانہ مباحث سے الگ تھلگ ــــــ اصلاحی ــــــ اور تعمیری خطوط پر ہیں ــــــ مگر ــــــ مسلم الثبوت حقائق ــــــ کی بے حرمتی دیکھ کر ــــــ کسی بھی باغیرت اہل قلم کا اعتشار ــــــ فطری امر ہے۔

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر
کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

موضوع کی مناسبت سے آپ نے اس کا بھی حق ادا کر دیا ہے، امید ہے کہ اہل علم وفضل کی بزم میں ــــــ باذوق مسلمانوں کی محفل میں ــــــ ارباب خانقاہ و تصوف میں

یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ اور سیرتِ بدر الدجیٰ، انوار غزوۂ بدر کبریٰ اور داستان وادیٔ بدر قارئین کرام کے لیے ترقی ایمان وحسنات کا سبب بنیں گے۔

حضرت مبلغ اسلام مدظلہ العالی کی تحریروں کے رسیا، اس قسم کی بیش از بیش کتابوں کی خواہشات کا برملا اظہار کرتے ہیں ___ ایسے تمام احباب کی ترجمانی کرتے ہوئے ___ بدرِ نابکار ___ عرض گزار ہے۔

خدا کرے یونہی خامہ ہو تیرا گوہر بار
دل ونگاہ کو حاصل ہوں عشق کے اطوار
غذاء روح میسر ہو اہل الفت کو
جہاں میں عام ہوں۔ دین حنیف کے انوار

والسلام — بدر القادری غفرلہ

القادری اسلامک سنٹر۔ دی ہیگ۔ ہالینڈ
سہ شنبہ ۲۵/ شوال ۱۴۰۷ھ / ۲۳/ جون ۱۹۸۷ء

ابتدائیہ

ہر سال، سترہ رمضان المبارک آتا ہے، جو غزوۂ بدر، کی یادگار تاریخ ہے، وہ جن کا شیوہ محسنین کو یاد رکھنا اور ان سے محبت کرنا ہے، میدانِ بدر میں، بے سروسامانی کے باوجود، نہایت ہمت و جرأت کے ساتھ، توحید و رسالت کا علم، بلند کرنے والوں کو بھی کسی نہ کسی انداز میں یاد کرتے ہیں، اور عقیدت و محبت کے حقیر نذرانے، ان کے دربارِ عالی میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ ہم ہر سال جو کچھ کرتے ہیں، وہ ان محسنین کرام کے احسان کا بدلہ تو کیا ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں، شاید ہماری نجات کا وسیلہ بن سکے، اس سال یہ اہم تاریخ آئی تو ہم نے اپنی استعداد سے، آگے بڑھ کر یہ فیصلہ کر لیا، کہ اب تک اس عنوان پر جو پڑھا اور لوگوں کو سنایا، اُسے ایک مقالہ کی صورت میں، اپنے محسنین کے دربار میں پیش کر دیں، تاکہ آئندہ پڑھا بھی جائے اور سنایا بھی جائے، اور ہمارے لیے، صدقہ جاریہ بن جائے اور بعد مرگ کام آتا رہے، نیز قیامت کے دن، درخواستِ نجات کے لیے ساتھ، بطور سند و دستاویز پیش کر سکیں ؎

گر قبول افتد زہے عزو شرف،

اس عنوان پر، ہم نے جو کچھ مطالعہ، اس کا ماحصل اور خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، سہولت کے لیے، ہم نے مقالہ کو مندرجہ ذیل عنوانات پر تقسیم کر دیا ہے

شروع اللہ کے کلام سے، احادیثِ مبارکہ، موضوع سے پہلے، اصل موضوع، یومُ الفرقان، فتح کے بعد، متفرق واقعات، نصرت وضاحت،

ان عنوانات کے ذیل میں تقریباً، غزوہ بدر کے تمام پہلو زیرِ قلم آ گئے ہیں، نیز اُن غلط فہمیوں کا، ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو ہمارے دور کے بعض اہلِ قلم نے پیدا کر کے، ایک صاف ستھرے تاریخی واقعہ کو، جس پر کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا، بلاوجہ، اپنی کم علمی کے سبب، متنازعہ فیہ بنا دیا، خطائے بزرگان گرفتن خطا است کا مقولہ، ہم نے بہت سنا ہے، اپنے چھوٹوں کو بھی سناتے رہتے ہیں، یہ تو نہیں معلوم کس نے کہا ہے، لیکن بہرحال مقولہ ہے، اور ہم اس پر عمل کی بہت کوشش کرتے ہیں، ایک عرصہ گزر گیا، قلم سے کھیلتے، لیکن بزرگوں کی اس نصیحت کے پابند رہے ہیں، اس مرتبہ ہی ایسا ہوا ہے، کہ مطالعہ کرتے، کرتے، چند اہلِ فکر ونظر، دراز قد (معروف) شخصیات، ہماری پکڑ میں آگئیں، ویسے ہم، نہ تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی اُن کا اندازِ تحریر ہمیں کچھ بھاتا ہے، ہمارے لیے وہی اسلاف کافی ہیں، جن کی ہر بات سند، اور قابلِ تقلید ہے، یہی وہ بزرگ ہیں جن پر تنقید غلطی ہے، نہ صرف غلطی، بلکہ گمراہی ہے، لیکن جن بزرگوں نے خود ہی اپنے بزرگوں کو نہ چھوڑا، انہیں کیا کہے، سوائے اس کے کہ، انہوں نے اپنی ہی بزرگی کو مجروح کیا اور اپنے لیے، جرح وتنقید کا خود دروازہ کھول دیا، پھر بھی، یقین کیجئے، ہم نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے نہ تو، کسی کی توہین واہانت مقصود ہے، نہ دل آزاری، کہ یہ ہماری عادت ہی نہیں، ہاں ہم نے ایک بڑی غلطی کی اصلاح ہے، جس سے ایک حقیقت متاثر ہو رہی ہے، قرآن و حدیث کی واضح مخالفت ہو رہی ہے پس ہم نے اُس کی وضاحت اور حقیقت کا اظہار، اپنی ذمہ داری جانی اور اُس کو پورا

کیا، اور جو کچھ لکھا، علمی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھا، لہٰذا ہم توقع کرتے ہیں کہ کسی کو، کوئی بدگمانی نہ ہو گی۔

غزوۂ بدر کے واقعات پر مشتمل، اس تحقیقی و علمی مقالہ کا نام ہم "یوم الفرقان،، رکھتے ہیں اور قارئین سے گزارش کرتے ہیں، کہ ہماری اس پیش کش سے، پورا پورا استفادہ کریں نیز زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہونچانے میں ہماری مدد کریں اس طرح کہ خود مطالعہ کے بعد دوسروں کو پیش کریں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے معاونین کو اشاعت و تبلیغِ دین کی مزید توفیق مرحمت فرمائے، آمین،

طالب دعا

فقیر سید سعادت علی القادری

۱۷/ شوال ۱۴۰۷ھ

۱۵/ جون ۱۹۸۷ء

ہالینڈ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"شروع اللہ کے کلام سے"

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱﴾	وہ آپ سے غنیمتوں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجیئے غنیمتوں کے مالک، اللہ اور رسول ہیں، پس، اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو، اور، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم ایماندار ہو۔
اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ﴿ۖ۲﴾	صرف وہی سچے، ایماندار ہیں، کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، اور جب اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو یہ اُن کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں، اور وہ صرف اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔
الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ مَغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۚ﴿۴﴾	جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں، نیز، جو ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے رہتے ہیں، یہی لوگ سچے مومن ہیں، انہی کے لیے ان کے رب کے پاس (بلند) درجے ہیں اور بخشش ہے، اور باعزت روزی ہے۔
کَمَاۤ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ	جس طرح آپ کو آپ کا رب نکال لایا آپ

بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ

کے گھر سے حق کے ساتھ، اور بے شک اہل ایمان کا ایک گروہ، اس کو ناپسند کرنے والا تھا۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۞

وہ آپ سے سچی بات میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی، گویا، وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے اس حال میں کہ وہ (جیسے موت) کو دیکھ رہے تھے

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ

اور یاد کرو، جب اللہ نے تم سے، دو گروہوں سے ایک کا وعدہ فرمایا کہ وہ تمہارے لیے ہے، اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ گروہ تمہارے حصہ میں آئے، اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو ثابت کر دے، اپنے ارشادات سے، اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۞

تاکہ، حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے اگرچہ عادی مجرم، ناپسند کریں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۔

یاد کرو، جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پس، اس نے تمہاری فریاد کو سن لیا، (اور فرمایا) یقیناً، میں تمہاری مدد کرنے والا ہوں، ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ، جو پے در پے آنے والے ہیں۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَ

اور نہیں بنایا، (فرشتوں کے نزول کو)، مگر ایک خوش خبری تاکہ اس سے تمہارے

مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

دل مطمئن ہو جائیں اور نہیں ہے مدد، مگر اللہ ہی کی طرف سے، بے شک اللہ بہت غالب ہے، حکمت والا ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

یاد کرو، جب اللہ نے، تمہیں غنودگی سے ڈھانپ دیا، تاکہ، اس طرف سے تمہاری تسکین کا سبب ہو، اور، تم پر، آسمان سے پانی اتارا تاکہ تمہیں پاک کر دے اُس سے، اور دور کر دے، تم سے شیطان کی نجاست، اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے، اور تمہارے قدموں کو جما دے،)

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝

یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی، کہ، میں تمہارے ساتھ ہوں پس ثابت قدم رکھو، ایمان والوں کو میں کافروں کے دلوں میں، تمہارا رعب ڈال دوں گا، پس تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر، اور چوٹ لگاؤ، اُن کے ہر جوڑ پر۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

یہ حکم اس لئے ہے، کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور، جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے، تو بے شک اللہ (اس کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝

یہ سزا ہے۔ پس (اے کافرو) اسے چکھو، اور بے شک (اس کے بعد) کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ج

اے ایمان والو، جب تم، کافروں کے لشکرِ جرار کا مقابلہ کرو، تو ان کی طرف اپنی پیٹھیں، نہ پھیرنا۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور جو، اس دن ان کی طرف اپنی پیٹھ پھیرے گا، سوا اس کے، کہ وہ لڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو، یا اپنی جماعت کی طرف آنے والا ہو، تو وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

پس تم نے، انہیں، قتل نہیں کیا، بلکہ انہیں، اللہ نے قتل کیا، اور (اے محبوب!) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مٹھی بھر خاک) جب آپ نے پھینکی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی، تاکہ وہ احسان فرمائے، مومنوں پر اپنی طرف سے، بہترین احسان، بیشک اللہ تعالیٰ، سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ

یہ تو ہوا، اور بے شک اللہ کمزور کرنے

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ وَلٰکِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

اور، رسول کے لیے ہے، اور، رسول کے) رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو، اللہ پر اور اُس پر، جو ہم نے اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن، اتارا، جس دن، دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تھے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جب تم، وادی کے قریب والے کنارے پر تھے، اور قافلہ (تجارت) تم سے نیچے کی طرف تھا، اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو تم پیچھے رہ رہ جاتے، وقت مقررہ سے، (یہ بلاارادہ جنگ اس لیے تھی) تاکہ اللہ وہ کام کر دکھائے، جو ہو کر رہنا تھا، تاکہ ہلاک ہو، جسے ہلاک ہونا ہے، دلیل سے، اور، زندہ رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل ہی سے، اور بے شک اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا وَلَوْ اَرٰىکَهُمْ کَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ

یاد کرو، جب اللہ نے آپ کو خواب میں، کفار کا لشکر، کم دکھایا، اور اگر، دکھایا ہوتا، آپ کو، لشکر کفار کثیر تعداد میں، تو تم

كَيْدِ الْكَافِرِيْنَ ٥ — والا ہے کفار کے مکر و فریب کو۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۟

اگر تم (اے کافرو) فیصلہ چاہتے تھے تو (لو) تمہارے پاس فیصلہ آ گیا۔ اور اگر تم (اب بھی) باز آ جاؤ، تو وہ، تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے، اور، تمہیں تمہاری جماعت کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی، چاہے تعداد کتنی ہی زیادہ ہو، اور یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے

(پ ۹، انفال، ۱۹)

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥

اور یاد کرو، جب تم تھوڑے سے تھے کمزور اور بے بس خیال کئے جاتے تھے زمین (مکہ) میں تم ڈرتے رہتے تھے، کہ کہیں لوگ تمہیں اُچک نہ لیں، پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) پناہ دی اور تمہیں طاقت بخشی (بدر میں) اپنی مدد سے اور تمہیں (غنیمت سے) پاکیزہ چیزیں عطا کیں، تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

(پ ۹، انفال، ۲۶)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جان لو کہ جو کچھ تم غنیمت میں حاصل کرو، تو اس کا، پانچواں حصہ، اللہ کے لیے

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔

لوگ ضرور ہمت ہار دیتے، اور، آپس میں جھگڑنے لگتے، اس معاملہ میں، لیکن اللہ نے (تمہیں) بچالیا، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۧ

اور یاد کرو، جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکرِ کفار، جب تمہارا مقابلہ ہوا، تمہاری نگاہوں میں کم، اور قلیل کر دیا، تمہیں ان کی نظروں میں، تاکہ، اللہ وہ کام کر دکھائے جو ہونا ہی تھا، اور، سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً وَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ

اے ایمان والو! جب تک تم کسی لشکر سے جنگ آزما ہو، تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ

اور اطاعت کرو، اللہ کی اور، اس کے رسول کی، اور، آپس میں نہ جھگڑو، ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے، اور، تمہاری ہوا، اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ

اور (دیکھو) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے تھے

النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

اور (صرف) لوگوں کے دکھلاوے کے لیے اور، روکتے تھے، اللہ کی راہ سے، اور جو کچھ، وہ کرتے ہیں، اللہ اُسے (اپنے علم وقدرت سے) گھیرے ہوئے ہے

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ج فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ط وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور یاد کرو، جب شیطان نے، اُن کے لیے، اُن کے اعمال، آراستہ کر دیئے، اور (اُن سے) کہا، آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اُن لوگوں میں سے اور میں تمہارا نگہبان ہوں، تو جب دونوں فوجیں، آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا، اور، بولا، میں تم سے بری الذمہ، ہوں، میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہیں تو، اللہ سے ڈرتا ہوں، اور، اللہ سخت سزا دینے والا ہے

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور یاد کرو، جب منافق، اور، وہ کہہ رہے تھے، جن کے دلوں میں (شک) کا مرض تھا، کہ مغرور کر دیا ہے انہیں، ان کے دین نے، اور جو شخص، اللہ، پر بھروسہ کرتا ہے تو بے شک، اللہ تعالیٰ، زبردست ہے حکمت والا۔

(پ ۱۰، انفال، ۴۷ تا ۴۹)

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ

نبی کے لیے، مناسب نہیں، کہ اس کے

لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَاۖۗ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۝

پاس جنگی قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین میں غلبہ حاصل کر لے، تم دنیا کا سامان، چاہتے ہو۔ اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ بڑا غالب (اور) دانا ہے۔

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۝

اگر حکمِ الٰہی پہلے سے نہ ہوتا (کہ خطاءِ اجتہادی معاف ہے) تو تمہیں ضرور بڑی سزا ملتی، اُس کی وجہ سے جو تم نے (قیدیوں سے) لیا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۠

پس کھاؤ، جو تم نے غنیمت حاصل کیا، حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو، اللہ تعالیٰ سے، یقیناً، اللہ تعالیٰ، بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤیۙ اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝

اے (غیب کی) خبر دینے والے، آپ اُن قیدیوں سے فرما دیجئے، جو آپ کے قبضہ میں ہیں، اگر، اللہ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی جان لی، تو وہ تمہیں اُس سے بہتر عطاء فرمائے گا، جو تم سے (بلعوض زر) لیا گیا ہے۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور، اگر وہ، آپ سے دھوکہ بازی کا ارادہ کریں، تو وہ تو، پہلے ہی اللہ سے دھوکہ کرتے رہے ہیں، پس، اللہ نے (تمہیں) اُن پر غلبہ دے دیا، اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

(پ ۱۰، انفال، ۶۷ تا ۷۱)

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

بے شک تمہارے لیے (عبرت کا) نشان تھا (اُن) اُن دو گروہوں میں جو آمنے سامنے ہوئے تھے (بدر میں) ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑتا تھا، اور دوسرا کافر تھا، (مسلمان) انہیں دیکھ رہے تھے اپنے سے دوگنا، (اپنی) آنکھوں سے، اور اللہ اپنی نصرت سے، جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، یقیناً، اس (واقعہ بدر) میں بہت بڑا سبق ہے، آنکھ والوں کے لیے۔

(پ ۳، آل عمران، ۱۳)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور بے شک، اللہ نے (میدان بدر میں) تمہاری مدد کی، حالانکہ تم بالکل کمزور تھے، پس، اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم (اس کی مدد کا) شکر ادا کر سکو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

جب آپ مسلمانوں سے، فرما رہے تھے

اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝

کیا تمہیں، یہ کافی نہیں، کہ تمہارا رب، تمہاری مدد فرمائے، تین ہزار فرشتوں سے، جو اتارے گئے ہیں۔ ہاں کافی ہے، بشرطیکہ تم صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، اور (اگر) کفار، تم پر تیزی حملہ کریں اسی وقت، تو، تمہارا، رب، پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو نشان والے ہیں۔ اور فرشتوں کے اترنے کو نہیں کیا اللہ نے مگر، تمہارے لیے خوشخبری، اور تاکہ اس (مدد) سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور نہیں ہے، فتح و نصرت مگر اللہ ہی کی طرف سے، جو غالب (اور) حکمت والا ہے، (یہ مدد اس لیے تھی) تاکہ، کاٹ دے ایک حصہ کافروں سے، یا ذلیل کر دے اُن کو، پس لوٹ جائیں، نامراد ہو کر۔

(پ ۴، آل عمران، ۱۲۴ تا ۱۲۷)

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ

یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں، اپنے رب کے بارے میں۔ تو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، ان کے لیے، آگ کے کپڑے تیار کر دیئے گئے ہیں، اُن کے سروں پر

فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۚ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ؕ	کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا، جس سے گل جائے گا، جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور گل جائیں گی، اُن کی کھالیں بھی۔
وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝	اور ان کو مارنے کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے۔
كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۖ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝	جب بھی، رنج والم کے باعث، وہ اُس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے، تو انہیں اُسی میں لوٹا دیا جائے گا، اور دکھا جائے گا کہ، جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھتے رہو۔
اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝	بے شک اللہ، داخل کرے گا، اُن لوگوں کو جو، ایمان بھی لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے، جنتوں میں، جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں، انہیں جنت میں، سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، اور موتیوں کے ہار اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔
وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝	اور، ان کی رہنمائی کی گئی تھی، پاکیزہ قول کی طرف اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ، اُس اللہ کا جو تعریف کیا گیا ہے۔

(پ ۱۷، الحج ۱۹ تا ۲۴)

مذکورہ بالا، آیاتِ قرآن، "غزوہ بدر" سے متعلق ہیں، اس قدر تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی غزوے کو، اپنے کلام محفوظ میں بیان فرمایا ہے، جس سے اس کی اہمیت ثابت کرنا مقصود ہے، نیز امت مسلمہ کے ہر فرد کو دعوت دینا ہے، کہ وہ اس غزوے پر غور کرے، اور اسلام کی اشاعت و حفاظت کی ذمہ داری کو اسی طرح پورا کرے، جس طرح، بدر میں شریک مومنین کاملین نے پوری کی، ان آیات مبارکہ کا مفہوم اگر ذہن نشین کر لیا جائے، تو آئندہ اوراق میں جو واقعات پیش کئے جا رہے ہیں اُن کا سمجھنا آسان ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احادیث مبارکہ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ كَعْبٍ: اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: لَمْ اَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا اِلَّا فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ، غَيْرَ اَنِّيْ تَخَلَّفْتُ عَنْ غَزْوَةِ بَدْرٍ، وَلَمْ يُعَاتَبْ اَحَدٌ تَخَلَّفَ عَنْهَا، اِنَّمَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ عِيْرَ قُرَيْشٍ حَتّٰى جَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَدُوِّهِمْ عَلٰى غَيْرِ مِيْعَادٍ۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب سے ان کے والد عبداللہ بن کعب نے کہا میں نے اپنے والد کعب بن مالک سے سنا وہ کہتے تھے میں کسی لڑائی میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی آپ کو چھوڑ کر پیچھے نہیں رہا سوا تبوک کی لڑائی کے اور بدر کی لڑائی میں جو میں پیچھے رہ گیا تو اس میں نہ جانے سے اللہ نے کسی پر عتاب نہیں کیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں (لڑنے کی نیت سے نہیں گئے تھے بلکہ) قریش کا قافلہ لوٹنے کی نیت سے گئے تھے مگر اللہ نے ناگہانی مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بھڑا دیا

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ: شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ مَشْهَدًا لَاَنْ اَكُوْنَ صَاحِبَهٗ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا عُدِلَ بِهٖ، اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَدْعُوْا عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ، فَقَالَ: لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَلٰكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفَكَ، فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَقَ وَجْهُهٗ وَسَرَّهٗ، يَعْنِيْ قَوْلَهٗ۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے ابن مسعود سے سنا وہ کہتے تھے میں نے مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات دیکھی اگر وہ بات مجھ کو حاصل ہوتی تو اس کے مقابل میں کسی نیکی کو نہ سمجھتا، اور مجھے سب سے زیادہ پسند ہوتی ہوا یہ کہ حضور علیہ السلام مشرکوں پر بد دعا کر رہے تھے اتنے میں مقداد آن پہنچے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس طرح نہیں۔ کہنے کے جیسے حضرت موسیٰ کی قوم نے ان سے کہا تھا، تم اور تمہارا پروردگار دونوں جاؤ (جبارین سے لڑو) ہم تو آپ کے داہنے طرف بائیں طرف سامنے پیچھے (جدھر آپ فرمائیں گے یا جہاں آپ کا دشمن ہوگا اس سے) لڑیں گے۔ ابن مسعود کہتے ہیں مقداد کے یہ کہتے ہی میں نے دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ چمکنے لگا۔ آپ خوش ہو گئے۔

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عباس نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے بدر کے دن فرمایا اللہ میں

وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ، فَاَخَذَ اَبُوْ بَكْرٍ بِيَدِهٖ، فَقَالَ، حَسْبُكَ، فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُوْلُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنا وعدہ اور اقرار پورا کر یا اللہ اگر تیری مرضی یہی ہے (کہ یہ کافر غالب ہوں) تو پھر زمین میں تیرا پوجا کرنے والا کوئی نہ رہے گا ابوبکر صدیق نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کیا یارسول اللہ! بس کیجیے (دعا کرنے کی حد ہو چکی) اس وقت ڈیرے سے یہ آیت (سورۂ قمر کی) پڑھتے ہوئے باہر نکلے اب یہ کافروں کا گروہ شکست پاتا ہے اور پیٹھ دکھاتا ہے"۔

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ: اَسْتُصْغِرْتُ اَنَا وَابْنُ عُمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ، وَكَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ يَوْمَ بَدْرٍ نَيِّفًا عَلٰى سِتِّيْنَ وَالْاَنْصَارُ نَيِّفٌ وَّ اَرْبَعِيْنَ وَ مِائَتَيْنِ۔

حضرت براء بن عازب نے بیان کیا ہے اور عبد اللہ بن عمر دونوں بدر کی لڑائی میں کم سن سمجھے گئے اور بدر کی لڑائی میں مہاجرین کا شمار کچھ اوپر ساٹھ آدمی کا تھا اور انصار دو سو چالیس تھے (سب تین سو دس یا تین سو تیرہ یا تین سو سترہ یا تین سو انیس تھے۔)

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَآءَ

ابو اسحاق نے کہا میں نے براء بن عازب سے سُنا وہ کہتے تھے مجھ سے آنحضرت

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ:
حَدَّثَنِيْ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِمَّنْ شَهِدُوْا بَدْرًا
اَنَّهُمْ كَانُوْا عِدَّةَ
اَصْحَابِ طَالُوْتَ الَّذِيْنَ
جَازُوْا مَعَهُ النَّهْرَ
بِضْعَةَ عَشَرَ وَثَلٰثِمِائَةٍ،
قَالَ الْبَرَآءُ: لَا وَاللّٰهِ
مَا جَاوَزَ مَعَهُ النَّهْرَ
اِلَّا مُؤْمِنٌ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ
مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:
اِسْتَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ فَدَعَا
عَلٰى نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ، عَلٰى شَيْبَةَ
بْنِ رَبِيْعَةَ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ،
وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَاَبِيْ جَهْلِ
ابْنِ هِشَامٍ، فَاَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ
رَاَيْتُهُمْ صَرْعٰى قَدْ غَيَّرَتْهُمُ
الشَّمْسُ، وَكَانَ يَوْمًا حَارًّا۔
عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بیان کیا کہ
بدر کی جنگ میں جو لوگ شریک تھے۔ ان
کا شمار وہی تھا جو طالوت (بادشاہ کے
ساتھ والوں کا تھا جو نہر کے پار گئے تھے
یعنی تین سو دس پر کئی آدمی براء نے کہا
طالوت کے ساتھ نہر پار وہی لوگ گئے
تھے جو ایمان دار تھے۔ (بے ایمان سب
پانی غٹاغٹ پی کر نہر پر رہ گئے تھے)
(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے
بیان کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبے کی
طرف منہ کیا اور قریش کے کئی کافروں کے
لیے بد دعا کی، شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن
ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور ابو جہل بن ہشام
کے لیے عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں خدا
گواہ ہے میں نے ان لوگوں کو (بدر کے
میدان میں) پڑا دیکھا دھوپ کی گرمی سے
ان لاشیں بدبودار ہو گئی تھیں۔ اس دن
بڑی گرمی تھی۔
(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)
انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت

قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَّنْظُرُ مَا صَنَعَ اَبُوْجَهْلٍ؟ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَهٗ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَآءَ حَتّٰى بَرَدَ، قَالَ: اَنْتَ اَبُوْجَهْلٍ؟ قَالَ فَاَخَذَ بِلِحْيَتِهٖ، قَالَ: وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ اَوْ رَجُلٍ قَتَلَهٗ قَوْمُهٗ۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بدر کے دن صحابہ سے) فرمایا۔ ابوجہل کو کون دیکھ کر اس کی خبر لاتا ہے، یہ سن کر عبداللہ بن مسعود گئے دیکھا تو عفراء کے دونوں بیٹوں (معاذ اور معوذ) نے اس کو (تلواروں سے) اتنا مارا ہے کہ وہ ٹھنڈا ہو رہا ہے (مرنے کے قریب ہے) عبداللہ بن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑی پوچھا کہ تو ہی ابوجہل ہے۔ وہ کہنے لگا بھلا مجھ سے بڑھ کر کون شخص ہے جس کو تم نے قتل کیا یا یوں کہنے لگا اس شخص سے کون بڑھ کر ہے جس کو اس کی قوم نے قتل کیا ہو۔

(صحیح بخاری پارہ ۱۶ کتاب المغازی)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ: اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّجْثُوْ بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ لِلْخُصُوْمَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَقَالَ قَيْسُ ابْنُ عَبَّادٍ: وَفِيْهِمْ اُنْزِلَتْ هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ قَالَ: هُمُ الَّذِيْنَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں پروردگار کے سامنے جھگڑا چکانے کے لیے دو زانو بیٹھوں گا قیس بن عباد نے کہا اسی باب میں (سورۂ حج کی) یہ آیت اتری یہ دو فریق ہیں ایک دوسرے کے دشمن جو اپنے پروردگار کے مقدمہ میں جھگڑے۔ دونوں فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو بدر کے دن لڑنے کے

تَبَارَزُوْا يَوْمَ بَدْرٍ، حَمْزَةُ، وَعَلِيٌّ، وَعُبَيْدَةُ اَوْ اَبُوْعُبَيْدَةَ ابْنُ الْحَارِثِ، وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ، وَعُتْبَةُ وَالْوَلِيْدُ ابْنُ عُتْبَةَ۔

بدر کے دن میدان میں مقابلہ کے لیے نکلے ایک طرف سے حمزہ اور علی اور عبیدہ یا ابو عبیدہ ابن حارث بن عبد المطلب (مسلمانوں کی طرف سے) اور (دوسری طرف سے) شیبہ اور عتبہ ربیعہ کے بیٹے اور ولید بن عتبہ۔ (صحیح بخاری پارہ سولہ، کتاب المغازی)

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَزَلَتْ هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فِيْ سِتَّةٍ مِنْ قُرَيْشٍ: عَلِيٍّ، وَحَمْزَةَ، وَعُبَيْدَةَ بْنِ الْحَارِثِ، وَشَيْبَةَ ابْنِ رَبِيْعَةَ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ، وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ۔

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا (سورۂ حج کی) یہ آیت یہ دو فریق ہیں ایک دوسرے کے دشمن اخیر تک قریش کے چھ آدمیوں کے باب میں اتری علی اور حمزہ اور عبیدہ بن حارث ایک فریق اور شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ ایک طرف (صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: كَانَ فِي الزُّبَيْرِ ثَلَاثُ ضَرَبَاتٍ بِالسَّيْفِ اِحْدَاهُنَّ فِيْ عَاتِقِهٖ، قَالَ: اِنْ كُنْتُ لَاُدْخِلُ اَصَابِعِيْ فِيْهَا، قَالَ: ضُرِبَ ثِنْتَيْنِ يَوْمَ بَدْرٍ، وَوَاحِدَةً يَوْمَ الْيَرْمُوْكِ، قَالَ عُرْوَةُ: وَقَالَ لِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ حِيْنَ قُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے بیان کہ میرے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے، جسم پر تین گہرے زخم لگے تھے ان میں ایک مونڈھے پر تھا میں (بچپنے میں) اپنی انگلیاں اس میں گھسیڑا کرتا عروہ نے کہا ان میں دو زخم تو بدر کے دن لگے تھے اور ایک یرموک کی لڑائی میں عروہ نے کہا جب عبد اللہ بن زبیر (حجاج ظالم کے ہاتھوں) شہید ہوئے تو عبد الملک مجھ سے پوچھنے لگا عروہ

بْنُ الزُّبَيْرِ: يَا عُرْوَةُ، هَلْ تَعْرِفُ سَيْفَ الزُّبَيْرِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَا فِيهِ؟ قُلْتُ: فَلَّةٌ فُلَّهَا يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ: صَدَقْتَ، بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ، ثُمَّ رَدَّهُ عَلَى عُرْوَةَ، قَالَ هِشَامٌ: فَأَقَمْنَاهُ بَيْنَنَا ثَلَاثَةَ آلَافٍ وَأَخَذَهُ بَعْضُنَا وَلَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ أَخَذْتُهُ۔

تم اپنے والد زبیر کی تلوار پہچان سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا اس کی نشانی کیا ہے میں نے کہا بدر کی لڑائی میں اس کی دھار ایک طرف سے ذرا ٹوٹ گئی تھی عبدالملک نے کہا عروہ تو سچ کہتا ہے پھر (نابغہ شاعر کا) یہ مصرعہ پڑھا "لڑتے لڑتے ان کی تلواروں کی دھاریں ٹوٹی ہیں" پھر عبدالملک نے وہ تلوار عروہ کو دے دی، ہشام بن عروہ کہتے ہیں ہم نے آپس میں اس تلوار کی قیمت لگائی تو تین ہزار درہم اس کی قیمت اٹھی اور ہمارے لوگوں میں سے ایک شخص (عثمان بن عروہ) نے (یہ قیمت دے کر) وہ تلوار لے لی مجھے آرزو رہ گئی (کاش) میں اس کو لے لیتا۔

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيدِ قُرَيْشٍ؟ فَقُذِفُوا فِي طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيثٍ مُخْبِثٍ،

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے، فرمایا، کہ حضور علیہ السلام نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنوئیں میں پھینک دینے کا حکم دیا پس انہیں، بدر کے گڑھوں میں سے ایک نہایت ہی گندے گڑھے میں پھینک دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ

وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ
أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ،
فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ
أَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ فَشُدَّ عَلَيْهَا
رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰى وَاتَّبَعَهٗ
أَصْحَابُهٗ وَقَالُوْا: مَا نُرٰى
يَنْطَلِقُ إِلَّا لِبَعْضِ حَاجَتِهٖ
حَتّٰى قَامَ عَلٰى شَفَةِ الرَّكِيِّ
فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ
وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ: يَا فُلَانُ
بْنُ فُلَانٍ، وَيَا فُلَانُ بْنُ
فُلَانٍ، أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ
أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ؟
فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا
رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُّمْ
مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ قَالَ:
فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا
أَرْوَاحَ لَهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ

یہ تھا جب کسی قوم پر غالب آتے تو تین راتیں
انہی کے مقام میں بسر فرماتے، بدر میں بھی تین
دن رہے تیسرے دن آپ نے حکم دیا اونٹنی
پر زین کسا گیا پھر آپ چلے آپ کے ساتھ
اصحاب بھی چلے وہ سمجھے شاید آنحضرت کسی
کام کے لیے جا رہے ہیں۔ خیر آپ چلتے
چلتے اس کنویں کی مینڈ پر کھڑے ہوئے اور
قریش کے کافروں کو نام بنام آواز دینے
لگے ان کا نام لیتے اور ان کے باپوں کا
فرماتے فلانے فلانے کے بیٹے فلانے فلانے
کے بیٹے اب تم کو یہ اچھا لگتا ہے کہ تم اللہ
اور اس کے رسول کا فرمان مان لیتے ہم سے
تو جس کے ثواب اور اجر کا ہمارے مالک
نے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پا لیا تم سے
جس عذاب کا پروردگار نے وعدہ کیا تھا
تم نے بھی وہ پایا یا نہیں، ابوطلحہ نے کہا
یہ سن کر حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ
آپ ایسی لاشوں سے بات کرتے ہیں جن
میں جان نہیں (بھلا وہ کیا سنیں گے) آپ
نے فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی
جان ہے میں جو باتیں کر رہا ہوں تم ان کو

مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ، قَالَ قَتَادَةُ: اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَتَصْغِيْرًا وَنِقْمَةً وَّحَسْرَةً وَّنَدَمًا۔

ان سے زیادہ نہیں سنتے (انہی کے برابر سنتے ہو) قتادہ نے اس حدیث کی تفسیر میں یہ کہا اللہ نے اس وقت ان مُردوں کو جلا دیا تھا ان کو تنبیہ کرنے اور ذلیل کرنے اور بدلہ لینے اور افسوس دلانے اور شرمندہ کرنے کے لیے۔

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: اُصِيْبَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ غُلَامٌ، فَجَاءَتْ اُمُّهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَدْ عَرَفْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّيْ فَاِنْ يَكُنْ فِي الْجَنَّةِ اَصْبِرْ وَاَحْتَسِبْ، وَاِنْ تَكُ الْاُخْرٰى تَرٰى مَا اَصْنَعُ؟ فَقَالَ: وَيْحَكِ اَوَهَبِلْتِ، اَوَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ؟ اِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيْرَةٌ وَاِنَّهٗ فِيْ

حضرت حمید نے کہا، کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے حارثہ بن سراقہ بدر کے دن شہید ہوئے وہ لڑکے تھے (ان کی والدہ ربیع بنت نضر انس کی پھوپھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں کہنے لگیں یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں حارثہ سے مجھ کو کیسی محبت تھی اب اگر وہ بہشت میں (چین سے) ہے تو میں صبر کروں ثواب کی امید رکھوں اگر کسی اور دیرے) حال میں ہے تو آپ دیکھیے میں کیا کرتی ہوں، کیسا روتی پیٹتی ہوں) آپ نے فرمایا۔ افسوس کیا تو دیوانی ہے کیا بہشت ایک ہی بھی ہے (اللہ کی بہت سی بہشتیں ہیں) اور تیرا بیٹا حارثہ تو فردوس میں ہے۔

جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ أَبُوهُ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ، قَالَ جَاءَ جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا تَعُدُّونَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيكُمْ؟ قَالَ مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، قَالَ: وَكَذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ۔

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ الزُّبَيْرُ: لَقِيتُ يَوْمَ بَدْرٍ عُبَيْدَةَ بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَهُوَ مُدَجَّجٌ لَا يُرَى مِنْهُ إِلَّا عَيْنَاهُ وَهُوَ يُكْنَى أَبُو ذَاتِ الْكَرِشِ، فَقَالَ: أَنَا أَبُو ذَاتِ الْكَرِشِ فَحَمَلْتُ عَلَيْهِ بِالْعَنَزَةِ فَطَعَنْتُهُ فِي عَيْنِهِ فَمَاتَ، قَالَ

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، جو بدر والوں میں سے تھے انہوں نے کہا حضرت جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہنے لگے آپ بدر والوں کو کیا سمجھتے ہیں آپ نے فرمایا سب مسلمانوں میں افضل یا ایسا ہی کوئی کلمہ کہا حضرت جبریل نے کہا اسی طرح وہ فرشتے جو جنگ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور فرشتوں سے افضل ہیں۔

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کہ (میرے والد) زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ، بدر کے دن میں نے عبیدہ بن سعید بن عاص کو دیکھا ہتھیاروں میں غرق صرف دونوں آنکھیں اس کی کھلی ہوئی تھیں اس کی کنیت ابو ذات الکرش تھی کہنے لگا میں ابو ذات الکرش ہوں میں نے ایک برچھی لے کر اس پر حملہ کیا اس کی آنکھ پر ماری وہ مر گیا ہشام کہتے ہیں مجھ سے بیان کیا گیا زبیر کہتے تھے (جب عبیدہ مر گیا تو) میں نے

هِشَامٌ، فَأَخْبَرْتُ أَنَّ الزُّبَيْرَ قَالَ: لَقَدْ وَضَعْتُ رِجْلِي عَلَيْهِ ثُمَّ تَمَطَّأْتُ فَكَانَ الْجَهْدُ أَنْ نَزَعْتُهَا وَقَدِ انْثَنَى طَرَفَاهَا، قَالَ عُرْوَةُ: فَسَأَلَهُ إِيَّاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُ، فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا، ثُمَّ طَلَبَهَا أَبُوْبَكْرٍ فَأَعْطَاهُ فَلَمَّا قُبِضَ أَبُوْبَكْرٍ سَأَلَهَا إِيَّاهُ عُمَرُ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهَا فَلَمَّا قُبِضَ عُمَرُ أَخَذَهَا ثُمَّ طَلَبَهَا عُثْمَانُ مِنْهُ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ فَلَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ وَقَعَتْ عِنْدَ آلِ عَلِيٍّ، فَطَلَبَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ فَكَانَتْ عِنْدَهُ حَتَّى قُتِلَ۔

اپنا پاؤں اس پر رکھا اور دونوں ہاتھ لمبے کر کے بڑی مشکل سے میں نے وہ برچھی اس کی آنکھ میں سے نکالی اس کے دونوں کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے (مڑ گئے تھے) عُروہ نے کہا یہ برچھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے مانگی انہوں نے دے دی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو زبیر نے لے لی پھر ابوبکر نے مانگی ان کو دے دی جب ابوبکر کی وفات ہوئی تو عمر نے مانگی ان کو دے دی جب عمر کی وفات ہوئی پھر زبیر نے لے لی، تو عثمان نے مانگی ان کو دے دی جب عثمان شہید ہوئے تو یہ برچھی حضرت علی (کے پاس ان کے بعد ان) کی اولاد کے پاس رہی آخر عبداللہ بن زبیر نے ان سے مانگ لی ان کے پاس رہی جب تک وہ شہید ہوئے۔

(صحیح بخاری پارہ سولہ کتاب المغازی)

غزوۂ بدر کا ذکر یوں تو احادیث کی تمام کتابوں میں موجود ہے، لیکن ہم نے یہاں صرف چند احادیث بخاری شریف سے تبرکاً نقل کی ہیں، جو کہ قرآن کریم کے بعد امت مسلمہ کے نزدیک صحیح ترین کتاب ہے۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

"موضوع سے پہلے"

ہمارا موضوع تحریر "غزوۂ بدر" ہے، لیکن اصل موضوع شروع کرنے سے پہلے ہم مختصراً یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ "غزوۂ بدر" کے وقت، مدینہ منورہ کے حالات کیا تھے، کیونکہ یہ جانے بغیر، یہ اندازہ کرنا بہت دشوار ہوگا، کہ، یہ جنگ کیوں ہوئی اور جنگی حالات کس نے پیدا کیئے۔

عام طور پر، کہا جاتا اور خیال کیا جاتا ہے، کہ نبی کریم علیہ السلام، اور آپ کے جانثاروں کے لیے، کفار کے مظالم اور ایذا رسانی کا دور، ہجرت کے بعد ختم ہو گیا اور یہ حضرات مدینہ منورہ پہونچ کر، امن وسکون اور آرام کی زندگی بسر کرتے گئے جب کہ حقیقت یہ ہے، کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی اصل ذمہ داری اور اس مقصد کی تکمیل میں شدید دشواریوں کا آغاز مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد ہی ہوتا ہے، اور پھر جس، ہمت واستقامت کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں نے، ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کر کے، دس سال کی قلیل مدت میں، اپنے مشن کی تکمیل کی، اس پر، آج تک دنیا حیرت زدہ ہے۔

مدینہ منورہ پہونچ جانے کے بعد، اہل اسلام کو، جن مسائل سے دوچار ہونا پڑا، وہ دو قسم کے تھے، داخلی، خارجی،

داخلی مسائل

ا۔ مسجد کی تعمیر، کیونکہ مسلمان، خدا کی زمین پر جس جگہ آباد ہو، وہاں اس کی پہلی ذمہ داری خدا کا گھر تعمیر کرنا ہے، تاکہ اس مقدس تعمیر، سے پورے شہر کی تعمیر میں برکت ہو، اور تمام تعمیراتی مسائل و مرحلے سہل و آسان ہو جائیں، نیز خدا کی عبادت کے علاوہ مسلمانوں کو، آپس میں مل بیٹھنے، باہمی مشورہ کرنے، اللہ اور اس کے رسول کے احکام سننے کے لیے ایک ایسا مرکز حاصل ہو جائے جس سے زیادہ، مقدس، پر سکون، جگہ، شہر میں کوئی نہیں ہو سکتی، لہٰذا، نبی کریم علیہ السلام نے، ازواج مطہرات کے لیے مکانات کے انتظام سے بھی پہلے، تعمیر مسجد کا اہتمام فرمایا۔

آپ کی عارضی قیامگاہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان سے متصل ہی، بنو نجار کا ایک باغ تھا جس کو، آپ نے مسجد کے لیے پسند فرمایا، یہ جگہ، دو یتیم بچوں کی تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، اس زمین کی قیمت ادا کی[1] اور ضروری انتظامات کے بعد تعمیر مسجد کا کام شروع کر دیا گیا، اور چند ہی دن میں یہ اہم ذمہ داری پوری ہو گی۔

ب۔ مہاجرین کی آباد کاری، انصار نے، اگرچہ ہر طرح، مہاجرین کی امداد کی، وہ ان کی دلجوئی اور تمام ضروریات کا پوری طرح خیال رکھتے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، ان دونوں، قوموں کو ایسے، رشتہ میں جوڑ دینا پسند فرمایا کہ علیحدہ قومیت کا تصور ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے، نیز، انصار میں بحیثیت معاون برتری کا احساس پیدا نہ ہونے پائے، اور مہاجرین احساس کمتری کا شکار نہ ہوں پس حضور علیہ السلام مہاجر و انصار کو بھائی، بنایا، جس کے بعد، مہاجر و انصار حقیقی بھائیوں جیسی زندگی بسر کرنے لگے۔

---

(۱) مدارج النبوۃ، ج۔ ۲۔

ج ۔ یہودیوں سے معاہدہ، مدینہ اور اس کے اطراف میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد، آباد تھی، اور انصار و یہود کے درمیان پرانی جنگ چل رہی تھی، مدینہ کے امن وامان کے لیے ضروری تھا، کہ اس جنگ کے خطرے کو ختم کیا جائے، لہذا حضور علیہ السلام نے نہایت حکمت و تدبر کے ساتھ، یہودیوں سے معاہدہ کیا۔

د ۔ مدینہ میں، مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ منافقین کے گروہ کا تھا، ان کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی، جس کا انصار، اسلام سے قبل بہت احترام کرتے تھے، حتیٰ کہ اس کی تاج پوشی کا فیصلہ کر لیا گیا تھا، جب نبی کریم علیہ السلام مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے ان دنوں، سونار کے یہاں اس کے لیے تاج بنایا جا رہا تھا[۲] لیکن انصار کے دلوں میں حضور علیہ السلام کی محبت و عظمت پیدا ہو چکی تھی۔ اب وہ آپ کے سوا، کسی دوسرے کو اپنا سردار کیونکر بنا سکتے تھے، عبداللہ ابن ابی کو، اپنی سرداری ختم ہونے کا بیحد صدمہ تھا، وہ انصار کے دباؤ کی وجہ سے بظاہر مسلمان تھا لیکن، نبی کریم علیہ السلام اور تمام مسلمانوں سے جلتا، اُن کے خلاف سازشیں تیار کرتا رہتا تھا، اس نے اپنا ایک گروہ بنا لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور علیہ السلام کو ان منافقین کی سازشوں سے باخبر فرمایا ان خطرناک دشمنوں کے نام تک نبی کریم علیہ السلام کو بتا دیئے گئے، آپ نے تمام صحابہ کو ہدایت کر رکھی تھی، کہ ان منافقین پر ہر وقت نگاہ رکھی جائے، اور ان کی کسی بات یا خبر پر اعتماد نہ کیا جائے، اس طرح یہ گروہ اگرچہ مسلمانوں کے قابو میں تھا، لیکن گھر کے بھیدی کی حیثیت سے، یہ دشمنوں کے لیے ایک بڑا سہارا بنے ہوئے تھے، یہودیوں اور مشرکین مکہ کا رابطہ اس گروہ سے زیادہ رہتا، اور وہ یہ لوگ بھی، خصوصاً یہودیوں کو

---

(۲) ضیاء القرآن، ج، دوم، سورۂ انفال ۔

مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی کوششوں میں لگے ہی رہتے تھے،

غرضیکہ، مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے داخلی مسائل پر حضور علیہ السلام نے پوری توجہ فرمائی اور اپنی حکمت و تدبیر سے چند ہی دن میں ان مسائل پر قابو پالیا۔

خارجی مسائل

اہل مدینہ کے لیے، خارجی مسئلہ کوئی نہ تھا، لیکن کفار مکہ کو، حضور علیہ السلام اور صحابہ کا، مکہ سے نکل آنا، اور مدینہ میں آکر منظم ہو جانا، گوارا نہ تھا، انہیں خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو ہم نے چند دن بھی پُرسکون رہنے کا موقع دیا، تو وہ ایک قوت بن کر ہمارے سامنے آ، کھڑے ہوں گے، اُس وقت ان کا مقابلہ ہمارے بس میں نہ ہو گا، لہٰذا وہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ حرکتیں کرتے ہی رہتے تھے، مثلاً۔

عبداللہ ابن ابی اور کفار مکہ

کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو خط بھیجا، اور لکھا کہ تم نے، ہمارے آدمیوں کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے، تم لوگ، یا تو ان کو قتل کر دو، یا مدینہ سے نکال دو، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں، کہ اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو ہم، تم پر حملہ کر دیں گے، اور تمہارے تمام لڑنے والے نوجوانوں کو قتل کر کے تمہاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔ (۱)

عبداللہ ابن ابی تو، موقع کا متلاشی رہتا تھا، اس خط سے اُس کی ہمت بڑھی اور اس نے سازشیں شروع کر دی، لیکن نبی کریم علیہ السلام کو، قبل از وقت ہی حالات

---

(۱) ابوداؤد، باب فی خبر النضیر، ج ۲، ص ۲۱۔

کا علم ہو گیا۔ آپ نے عبداللہ ابن ابی سے ملاقات کی اور نہایت تدبیر سے اس کو سمجھایا، کہ مدینہ ہم سب کا شہر ہے، اس کے امن و سکون کو دوسروں کے ورغلانے پر برباد نہ کرو اور اگر تم نے کوئی غلط قدم اٹھایا، تو تمہیں اپنے ہاتھوں سے، اپنے ہی، بھائیوں، بیٹوں اور رشتہ داروں یعنی انصار کو قتل کرنا پڑے گا اور وہ تمہیں قتل کریں گے، کیونکہ وہی ہمیں مدینہ بلا کر لائے ہیں اور انہوں نے ہماری حفاظت اور ہر طرح مدد کرنے کا ہم سے معاہدہ کیا ہوا ہے۔

حضور علیہ السلام کی اس تدبیر سے عبداللہ ابن ابی کفار مکہ کی بات پر عمل نہ کر سکا اور ایک بڑا خطرہ ٹل گیا۔

سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل

حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ جو، قبیلہ اوس[1] کے سردار تھے، عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے گئے، اور پرانے تعلقات کی وجہ سے، امیہ ابن خلف کے مکان پر ٹھہرے، آپ نے، امیہ سے کہا، مجھے کسی مناسب وقت، عمرے کے لیے لے چلو، امیہ نے، دوپہر کا وقت مناسب جانا، اور اپنے ساتھ، طواف کعبہ کے لیے لے کر نکلا، اتفاق سے راستہ میں ابوجہل مل گیا، اُس نے حضرت سعد کو دیکھ کر امیہ سے پوچھا، یہ نیا آدمی کون ہے، اُمیہ نے جواب دیا، یہ میرے مہمان، سعد ابن معاذ مدینہ سے آئے ہیں، یہ سنتے ہی ابوجہل غصہ میں چلایا، اور بولا، تم لوگوں نے ہمارے شہر سے، بھاگے ہوئے، بے دینوں کو پناہ دے رکھی، خدا کی قسم، اگر تم اُمیہ کے مہمان نہ ہوتے، تو بچ کر نہ جا سکتے تھے، حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) انصار مدینہ کا ایک قبیلہ۔

ایمانی جرأت کے ساتھ جواب دیا، اے ابوجہل، خوب سن لے، کہ اگر تم لوگوں نے ہمیں، اللہ کے گھر کا طواف کرنے سے روکا، تو ہم بھی، شام سے تمہاری تجارت کا راستہ روک دیں گے، (۱)

اشتعال انگیزی

قریش نے تقریباً پورے عرب میں، مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی کی مہم چلا رکھی تھی، مکہ سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں نکل کر، اور مدینہ کے قرب وجوار میں لوٹ مار کر، کے چلی جاتیں، کرز ابن جابر فہری، مکہ کے سرداروں میں سے تھا، اس نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور مسلمانوں کے جانور، ہنکا کر لے گیا، ان حرکتوں کا مقصد، صرف مسلمانوں کو ہراسان وپریشان کرنا تھا، ان دنوں مدینہ کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ مہاجر و انصار، سب ہی کا راتوں کا آرام، اور دن کو چین ختم ہو گیا تھا، ہر وقت، کفار مکہ کی جانب سے حملے کی خبریں آتی رہتیں اور مسلمان مقابلے کی تیاریاں کرتے رہتے، اس صورت حال سے معاشی حالات پر بھی بُرا اثر تھا کاروبار معطل ہو کر رہ گیا تھا، خود نبی کریم علیہ السلام، ساری، ساری رات، جاگ کر گزارتے تھے، اور شہر کا گشت کیا کرتے تھے ۔

اس حقیقت پر کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، کہ اس وقت مسلمان کسی سے جنگ کرنا یا معمولی جھگڑا کرنا بھی نہ چاہتے تھے، خدا نے انہیں، جو پناہ گاہ عطا فرمادی تھی وہ اسی میں، زندگی کے لیے، پُرسکون معاشرے کی بنیادیں قائم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اہل مکہ، اُن کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے اور وہ ہر طرح مدینہ کو برباد

(۱) البدایہ والنہایہ، ج ۳

اور مسلمانوں کو تباہ کر دینا چاہتے تھے، جبکہ ہونا وہی تھا جو فیصلہ الٰہی ہو چکا تھا، جس کا اعلان، قرآن کریم نے غزوۂ اُحد کے موقع پر فرمایا،

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو، اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، لیکن، اللہ تو اپنے نور کو کمال تک ہی پہنچا کر رہے گا، خواہ کافر اس کو کتنا ہی ناپسند کریں،

(پ ۲۸، الصف، ۸)

اذنِ جہاد

بالآخر وہ وقت آگیا جس کا انتظار، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں کو پندرہ سال سے تھا، اب حالات کا تقاضہ ہی تھا، کہ باغیوں کی رسی کھینچی جائے نعرۂ حق بلند کرنے والوں پر سے پابندی اٹھائی جائے، انہیں ظلم و ستم کی مدافعت کا حق دیا جائے، اور ہمت افزائی کے لیے انہیں غیبی امداد کا مژدہ سنایا جائے پس اعلان ہوتا ہے ۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

اجازت دے دی گئی (جہاد کی) ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے، اس لیے کہ اُن پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ اُن کی مدد پر پوری طرح قادر ہے وہ لوگ جن کو ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا گیا صرف اتنی بات پر، کہ انہوں نے کہا کہ، ہمارا پروردگار اللہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ، لوگوں کی ایک دوسرے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ	سے مدافعت نہ کیا کرتا، تو ڈھادی جاتیں، خانقاہیں
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ	اور گرجے، اور کلیسے اور مسجدیں، جن میں اللہ
وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ	کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے اور اللہ اس
اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ	کی ضرور مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے
مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ	گا بے شک اللہ قوت والا سب پر غالب ہے
عَزِيْزٌ ۝	(پ ۱۷، الحج، ۳۹، ۴۰)

اس وحی الٰہی نے مسلمانوں میں، ایک نیا ولولہ، ایک ایسا جذبہ پیدا کیا کہ انہیں ایسا محسوس ہوا، جیسے کسی قید سے آزادی ملی ہو، بندھے ہاتھ کھل گئے ہوں اب تو کچھ اس طرح سوچا جانے لگا تھا، کہ اب ذرا کوئی ظلم کا ہاتھ ہماری طرف بڑھائے، اب کوئی ہم سے آنکھیں ملائے، اب کوئی، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل سے ہمیں روکنے کی کوشش کرے، اب ہمیں ظلم روکنے، اپنی مدافعت کرنے کی صرف اجازت ہی نہیں ملی ہے، بلکہ دشمن چاہے کتنا ہی طاقتور ہو، اب ہم ہی غالب رہیں گے کیونکہ غالب وقوی اللہ نے ہمیں اپنی نصرت وامداد کا بھی مژدہ سنا دیا ہے۔

پروگرام

اب نبی کریم علیہ السلام نے باقاعدہ، منظم پروگرام ترتیب دیا، جس کے مطابق آپ نے صحابۂ کرام کی متعدد جماعتیں منظم کیں اور انہیں مدینہ کی قریبی آبادیوں میں بھیجنا شروع کیا تاکہ وہ قبائل عرب کو، کفارِ مکہ کے غلط پروپیگنڈے سے آگاہ کریں اور اپنا پروگرام بتائیں اور ان قبائل سے، مصالحت، یا حمایت کے معاہدے کیئے جائیں، نیز، کفار مکہ کی لوٹ مار کرنے والی ٹولیاں جہاں بھی ملیں ان کا مقابلہ کیا جائے اس حکمت عملی کا مقصد صرف یہ تھا، کہ عرب میں کفارِ مکہ کے اثرات کو، اُن کے پھیلائے ہوئے خوف وہراس

کو کم کیا جائے، اور قبائل عرب کی ہمدردیاں، یا حمایت حاصل کی جائے، یا کم از کم، ان سے ایسا معاہدہ کر لیا جائے، کہ وہ کسی بھی موقع پر، کفار مکہ کا کسی طرح تعاون نہ کریں۔ اہل سیاست جانتے ہیں کہ خارجہ پالیسی ہیں، اس تدبیر کی کتنی اہمیت ہے اور دشمن کی قوت کم کرنے کے لیے اس کا اختیار کرنا کس قدر ضروری ہے۔

پروگرام کے مطابق دوسرا فیصلہ آپ نے یہ فرمایا، کہ مکہ سے شام جانے والے تجارتی قافلوں کو روکا جائے، اگر وہ بھاگیں تو ان کا جہاں تک مناسب ہو تعاقب کیا جائے اور اگر وہ سامنے آئیں، تو ان کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، اس حکمتِ عملی کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے،

(۱) اہل مکہ، مسلمانوں کو، لاچار، مجبور اور کمزور، سمجھنا چھوڑ دیں، انہوں مسلمانوں کی جمعیت اور قوت کا احساس ہونا چاہیئے، انہیں مجبور کر دیا جائے کہ وہ مدینہ میں بسنے والوں کو، ایک باوقار، باغیرت قوم تسلیم کریں۔

(۲) تجارتی قافلوں کی آزادانہ آمدورفت میں خلل واقع ہو تاکہ، اہل مکہ کا شعبہ تجارت متاثر ہو، جس پر ان کے معاشی حالات کا دارومدار تھا، ان کی مالی حالت کمزور ہو، جس پر انہیں تکبر و غرور تھا، یہاں کی خوش حالی ہی تھی، جس کے سبب وہ صرف مسلمانوں کی مخالفت کی تدابیر ہی سوچتے رہتے تھے، ان کی تجارت مفلوج ہونا چاہیئے تاکہ، اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لیے وہ جو دولت اور سامان جنگ تیزی سے جمع کئے جا رہے ہیں اس کی رفتار کچھ کم ہو۔

(۳) تجارتی قافلوں سے مقابلہ کی صورت میں، ان کا مال، دولت ہاتھ آئے، تاکہ مسلمانوں کی معاشی حالت مضبوط ہو، اور وہ ظالم ہی کی دولت سے اس کے ظلم کو روک سکیں، نیز جو کافر قید ہو کر مدینہ آئیں، یا تو وہ مسلمان ہو جائیں، یا مدینہ کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنی قوم کو جا کر بتا سکیں، کہ اب مسلمان ایسے

کمزور نہیں کہ جو چاہے انہیں اپنا لقمہ بنا لے،
غرضیکہ مسلمانوں کے، یہ چھوٹے، چھوٹے لشکر، مدینہ کے اطراف میں جانے، اور اپنا کام کرنے لگے، حضور علیہ السلام، جہاں، مناسب سمجھتے، خود، اپنی سربراہی میں لشکر تیار فرما کر تشریف لے جاتے، اس طرح کفار سے مقابلے اور جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن نہ تو کوئی قافلہ لوٹا گیا، اور نہ ہی کوئی جنگ ہوئی، ہاں مسلمانوں کے اس اقدام سے اہل مکہ، اب کچھ خوف زدہ اور پریشان ہونے لگے، اور یہی اس حکمتِ عملی کا مقصد تھا۔

پہلا تیر

کفارِ مکہ پر پندرہ سال بعد پہلا تیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چلایا جب آپ سریہ[1] عبیدہ بن الحارث میں شامل تھے، آپ نے پے در پے آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، کفار، آپ کی تیر اندازی ہی دیکھ کر بھاگ گئے۔ (۲)

پہلا مقتول

رجب ۲ھ میں، سریہ عبداللہ بن جحش ہوا، جس میں، حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ کے ایک تیر نے، عمرو بن الحضرمی کو ہلاک کر دیا، مسلمان اور کافروں کے درمیان ہونے والی جنگوں کا یہ پہلا مقتول تھا، اس کی ہلاکت کی اطلاع جب کفار مکہ کو ہوئی، تو پورے شہر میں ایک آگ بھڑک اٹھی، یہ ظالم، مسلمانوں سے پہلے ہی کیا کم جلے ہوئے تھے، اس خبر نے تو ان کو آپے ہی سے باہر کر دیا (۱) اب تو ہر طرف سے، خون کا بدلہ چاہیئے، مدینہ پر حملہ کرو، مسلمانوں کو نیست و نابود، کر دو کے نعرے بلند تھے۔

---

(۱) وہ جنگی لشکر جس میں حضور علیہ السلام شریک ہوئے، غزوہ کہلاتا ہے۔ اور لشکرِ اسلام جس میں آپ شریک نہیں رہے سریہ کہلاتا ہے۔ (۲) زرقانی ج (۱)

"اصل موضوع"

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے، آپ کو اندازہ ہو چکا، کہ حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کے پروگرام میں، جنگ وجدال، فتنہ وفساد، ہرگز شامل نہ تھا، وہ تو مدینہ کو ایک مستحکم، پُرسکون شہر بنانے کے بعد، اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف رہنا چاہتے تھے، مکہ میں اُن کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اُسے بھُلا چکے تھے، انہوں نے تو کبھی، اہل مکہ سے، اپنے چھوڑے ہوئے مال وجائیداد تک کا مطالبہ نہ کیا، نہ ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کو ظالموں سے بدلہ لینے کا کبھی حکم دیا انہوں نے کبھی، یہ تک نہ سوچا تھا، کہ اب ہم، مکہ وشام کی گذرگاہ پر ہیں یہ ایک اچھا موقع ہے اہل مکہ کی تجارت کو تباہ کر دینے اور ان کی معاشی حالت کو کمزور بنا دینے کا، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لیکن اہل مکہ پر، تو مسلمانوں کی دشمنی اور ان سے نفرت کا ایسا بھوت سوار تھا، کہ وہ، اُن کو صرف مدینہ ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں، زندہ دیکھنا نہ چاہتے تھے انہیں، اس پر بھی چین نہ آیا، کہ اسلام مکہ سے چلا گیا، وہ تو صرف مسلمانوں کو تہس نہس ہی کر دینا چاہتے تھے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے جو کچھ کیا، وہ صرف اپنی مدافعت تھی، اپنے جان ومال، اپنے مذہب کی حفاظت کے لیے کیا، جس کا انہیں، صرف مذہبی نہیں بلکہ، اخلاقی وفطری حق حاصل تھا، اور آج بھی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح دنیا کی دوسری قومیں، اپنے تحفظ کے لیے اپنا حق استعمال کرتی ہیں۔

اس صاف ستھری حقیقت کے باوجود بھی، اسلام دشمن مصنفین نے مسلمانوں کو، ظالم، جابر اور جنگجو، نہ جانے کیا کیا، کہا اور جب مسلمانوں نے، ان کو آئینہ دکھایا، تو وہ اپنی بھیانک خوفناک صورت دیکھ کر خود ہی کانپ اٹھے، اسلام پر اعتراضات کو، آج تک نہ ثابت کیا جا سکا ہے، اور نہ قیامت تک کیا جا سکے گا۔

غرضیکہ ہم یہ بتا چکے، کہ غزوۂ بدر اور اس کے بعد تمام غزوات کے اسباب و علل، در حقیقت، کفارِ مکہ ہی کی طرف سے پیدا ہوئے، اور پھر نتائج بھی انہی کو بھگتنا پڑے اب آیئے، اصل موضوع کی طرف۔

مقام بدر

مکہ و مدینہ کے درمیان بدر نامی ایک شخص نے، ساحلِ سمندر سے قریب پڑاؤ ڈالا اور آہستہ آہستہ، یہاں آبادی ہو گئی، اسی شخص کی نسبت سے، اس پوری آبادی کو بدر کہا جانے لگا شام سے مکہ، اور مکہ سے شام، جانے والے قافلہ، یہاں آرام کے غرض سے ٹھہرنے لگے، لہذا اس آبادی کی اہمیت اور زیادہ ہو گئی، حتیٰ کہ سال میں ایک مرتبہ یہاں میلہ لگنے لگا، جس میں عرب کے بڑے بڑے تاجر جمع ہوتے اور اس طرح یہ دیہات چند دن کے لیے، خرید و فروخت، کھیل کود اور عیش و عشرت کا مرکز بن جاتا تھا، (۱)

چونکہ قافلوں کی یہ گذرگاہ تھی، لہذا حضور علیہ السلام نے، قافلہ ابو سفیان پر حملے کے لیے اسی طرف کا رخ کیا، اور، قریش مکہ اپنے قافلہ کو بچانے کے لیے بھی نہیں آئے اور اس طرح بدر ہمیشہ کے لیے حق و باطل کے امتیاز کا پہلا مرکز قرار پایا،

---

(۱) البدایہ والنہایہ، ج ۳ ص ۲۵۱

مکہ کا قافلۂ تجارت

عمرو بن الحضرمی کی ہلاکت کی خبر نے اگرچہ اہل مکہ کو بے حد مشتعل کر دیا تھا لیکن ان کے سرداروں کو، مسلمانوں کی قوت کا کچھ اندازہ ہو چکا تھا، لہٰذا انہوں نے اپنے عوام کو جمع کر کے اپنا پروگرام بتایا کہ ہم مدینہ پر ضرور حملہ کریں گے لیکن، جنگ معمولی بات نہیں، لہٰذا ہمیں پہلے مالی طور پر نہایت مستحکم ہو جانا چاہئے، اور خوب سامانِ جنگ جمع کر لینا چاہئے، اس مقصد کے لیے ہم جلد سے جلد ایک تجارتی قافلہ شام روانہ کرتے ہیں، اس تجارت میں ہر شخص اپنا حصہ شامل کرے تاکہ یہ قافلہ پہلی ہی مرتبہ اتنا منافع اور ضروری سامان لے کر واپس ہو، جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے کافی ہو سکے۔

یہ قافلہ تیار ہوا، اس میں شامل، چالیس تو قریش کے سردار تھے، تیس جوان قافلہ کی خدمت اور حفاظت کے لیے مقرر ہوئے، اور قریش کے ہر مرد و عورت نے، اس میں اپنا حصہ شامل کیا، اس کی مالیت، پچاس ہزار دینار، بتائی جاتی ہے، موجودہ طریقہ سے ہم نے حساب لگایا تو یہ دولت، اس وقت تقریبًا دو لاکھ ڈالر کی تھی، گویا ہمارے دور میں اس کی مالیت کا اندازہ دو کروڑ ڈالر کیا جا سکتا ہے، سواریوں اور سامانِ تجارت کے لیے ایک ہزار اونٹ لے گئے تھے، یوں سمجھ لیجئے، کہ یہ قافلہ کیا، قریش کی ایک ٹریڈنگ کمپنی تھی جو اپنا مال لے کر شام روانہ ہو رہی تھی، اور ایک زبردست منافع حاصل کرنے کا، اس کو یقین تھا، بہرحال اس قافلہ کو رخصت کرنے کے لیے بھی اہل مکہ نے بڑا اہتمام کیا، اور بڑے ہی اعزاز کے ساتھ، یہ قافلہ روانہ ہو گیا۔

اہم باتیں

اس موقع پر، قافلہ سے متعلق چند اہم باتیں ذہن نشین کرانا ضروری ہیں۔

(۱) یہ عام تجارتی قافلہ نہ تھا، بلکہ قومی نوعیت کا تجارتی قافلہ تھا۔

(۲) اس قافلہ سے قریش کے ایک ایک فرد کا تعلق تھا۔

(۳) قریش کے اہم سردار، اس میں شامل تھے۔

(۴) قریش کا تمام تجارتی سرمایہ اس قافلہ کے پاس تھا، اور اب قریش کی معاشی امیدوں کا واحد سہارا یہ قافلہ ہی تھا۔

(۵) یہ طے پا چکا تھا، کہ اس تجارت کی تمام آمدنی، مدینہ پر حملہ کرنے، مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے وقف ہے۔

گویا، اگر یہ قافلہ کسی حادثہ کا شکار ہو جائے، تو پورا مکہ، ماتم کدہ بن جائے گا، اور اہل مکہ کی ساری قوت ختم ہو جائے گی، سارا غرور وتکبر خاک میں مل جائے گا، اور پھر مسلمانوں کا مقابلہ تو در کنار، کسی معمولی، حملہ آور ٹولی کا سامنا کرنے کے قابل بھی نہ رہیں گے،

قافلہ کی اس اہمیت کو ذہن میں رکھئے اور اب آگے مطالعہ کیجئے۔

مدینہ میں قافلہ کی اطلاع

قافلہ، تجارت سے فارغ ہو کر، شام سے واپس نکلا ہی تھا، کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے، حضور علیہ السلام کو قافلہ کا حال بتایا اور اس کی واپسی کی اطلاع دی [۱] جو لوگ بھی، اس وقت جمع ہو سکے، آپ نے، ان کو جمع کیا اور قافلہ کا حال بتلاتے ہوئے، آپ نے قافلہ کے مقابلہ کے لیے جلد از جلد، مدینہ سے نکل کر شام کی گذر گاہ، بدر، پہونچنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس وقت جو لوگ جمع ہو سکے، ان کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی، دو گھوڑے ستر اونٹ، چھ، زرہیں، اور آٹھ تلواریں تھیں۔

---

(۱) روح البیان، ج ۳، سورۃ الانفال۔

وکان المشرکون اکثر عددا وعددا بالاضعاف۔ (۱) اور مشرک کئی گنا زیادہ تھے۔

چونکہ مدینہ سے روانگی کے وقت حضور علیہ السلام کا ارادہ، کسی جنگ کا نہ تھا بلکہ صرف قافلہ سے مزاحمت کرنا مقصود تھی، اس لیے آپ نے کوئی خاص اہتمام نہ فرمایا نہ تو زیادہ لوگوں کو جمع کیا گیا، نہ ہی سواریوں کا خاص اہتمام کیا، بلکہ بعض انصار صحابہ نے گذارش بھی کی کہ مدینہ سے باہر چراگاہ میں ہمارے جانور موجود ہیں، اگر حکم ہو تو ہم لے آئیں، لیکن آپ نے ضرورت محسوس نہ کی اور منع فرما دیا، کھانے وغیرہ کے لیے بھی کوئی خاص ذخیرہ نہ لیا گیا، غرضیکہ جلد از جلد جو کچھ میسر تھا وہی ساتھ لیا، اور محافظین دین کا یہ مقدس قافلہ، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں، ۶ یا ۱۲ رمضان المبارک ۲ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوا۔

بچوں کی واپسی

مدینہ سے، تقریباً، ایک میل باہر، جا کر نبی کریم علیہ السلام نے، اپنے لشکر کا معائنہ فرمایا اس میں چند بچوں کو دیکھا، آپ نے ان کو بلا کر محبت و شفقت کے ساتھ سمجھایا، کہ سفر لمبا ہے، ہم سب جلدی میں جا رہے ہیں، کھانے پینے کا بھی انتظام نہیں ہے تم بچے ہو، تمہیں تکلیف ہوگی اور تمہاری وجہ سے ہمیں بھی پریشانی ہوگی، لہذا تم واپس اپنے گھر جاؤ بچے مان گئے اور واپس ہو گئے۔

لیکن عمیر ابن ابی وقاص (۲)، رو کر، عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ، میں اگرچہ کم عمر ہوں، لیکن آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، میرے پیارے آقا، مجھے واپس نہ

---

(۱) روح البیان، ج ۳۔ سورہ الانفال: (۲) اس وقت حضرت عمیر کی عمر سولہ سال تھی۔

یکیجئے، حضور، رحمتہ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو، ان کے آنسو دیکھ کر رحم آ گیا، اور آخر کار عمیر کو اجازت مل، ان کے بھائی، حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی، لشکر میں تھے، بھائی کو اجازت ملی تو بہت خوش ہوئے، گلے لگایا اپنے ہاتھ سے، ان کے تلوار لٹکائی۔

دیگر انتظامات

یہاں آپ نے، دوسرے ضروری انتظامات کی طرف بھی توجہ فرمائی، مدینہ سے روانگی کے وقت، آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو، مسجد نبوی کا امام مقرر فرمادیا تھا، اب آپ نے ابو لبابہ ابن عبد المنذر کو، مدینہ کا حاکم اور عاصم ابن عدی کو قبا کا حاکم مقرر فرمایا، تاکہ یہ دونوں حضرات منافقین یا یہود کی حرکتوں پر نظر رکھیں اور اگر وہ کوئی سازش کریں، تو اس کو ناکام بنانے کے لیے مناسب اقدام کریں۔

روانگی

ان ضروری انتظامات کے بعد، آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ مقام صفراء پر پہونچے، تو آپ نے، دو سواروں کو یہ معلوم کرنے کے لیے، آگے روانہ کیا، کہ قافلہ، کہاں سے نظر آرہا، کبتک، بدر پہونچنے والا ہے، صفراء سے بدر تقریباً دس میل ہے، ان دونوں حضرات نے واپس آکر اطلاع دی کہ قافلہ، کل یا پرسوں، بدر پہونچنے والا ہے۔

سواری

جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ بدر کے دن سواری کے تین افراد کو ایک اونٹ ملا تھا، پس حضور علیہ السلام کی اونٹنی عقبہ کی سواری

کے لیے آپ کے ساتھ ابولبابہ(۱) اور حضرت علی تھے، پس جب ان دونوں کے سوار ہونے کا وقت آیا، تو عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ، آپ سوار رہیں، ہم پیدل ہی چلتے رہیں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما انتم باقوی منی ولا انا باغنی عن الاجر منکما۔[۲] — نہ تو تم، دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو اور نہ میں تم دونوں سے اجر و ثواب کا کم خواہاں ہوں۔

قافلہ

قریش کا قافلہ تجارت، جس کے سربراہ، ابوسفیان(۳) تھے، ابھی شام ہی میں تھا، کہ وہاں کسی نے ابوسفیان کو خبر دی، کہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مدینہ میں تمہارا تعاقب کرنے کے انتظامات کر رہے ہیں، تمہاری واپسی تک وہ بدر پہونچ کر تمہیں روک لیں گے لہذا تم بہت محتاط ہو کر سفر کرنا، یہ لوگ تو پہلے ہی مسلمانوں سے خوفزدہ تھے، یہ خبر ملی تو پورے قافلہ کا برا حال ہوگیا، اور ابوسفیان نے فوراً، ایک شخص ضمضم غفاری کو مکہ دوڑایا، کہ جا کر قریش کو خبر کر دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی، قافلہ کی تلاش میں ہیں، اور مقام بدر پر وہ ہمارا انتظار کر رہے ہیں، لہذا اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے فوراً پہونچو۔

---

(۱) حضرت ابولبابہ، مقام روحا تک رہے، جب حضور نے انہیں مدینہ کا حاکم بنا کر واپس کیا تو ان کی جگہ مرثد رضی اللہ عنہ نے لی ، (۲) البدایہ والنھایہ، ج ۳، (۳) فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئے۔

مکہ میں خبر

جونہی، ضمضم، مکہ پہونچا، اس نے اپنے کپڑے پھاڑ لیے، اپنے اونٹ کی ناک کاٹ دی جب عوام کو، کوئی اہم خبر سنانی ہوتی تو عرب، ایسی ہی حرکتیں کرتے تھے، یہ ان کی ایک رسم تھی ضمضم نے بھی یہ سب کچھ کیا، اور چیخنے دھاڑنے، لگا، "اے قریش مدد کو پہونچو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا قافلہ لوٹنے کے لیے مدینہ سے نکل چکے ہیں، اگر تم نے ذرا بھی دیر کی، تو سارے مال و دولت پر مسلمان قبضہ کرلیں گے، اور قافلوالے گرفتار ہوجائیں گے یا مار دیئے جائیں گے۔

قریش کا حال

آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ خبر سن کر، قریش پر کیا گذری ہوگی، سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے، مال و دولت کی فکر، قافلہ میں شریک سرداروں کی جانوں کا خطرہ سب سے زیادہ پیچ و تاب، اس بات پر، کہ مسلمان، اب اتنے طاقتور ہوگئے، کہ بلا خوف و خطر وہ ہمارے قافلہ کی طرف بڑھ رہے ہیں، پس کہیں، ابو جہل چیخ رہا تھا، تو کہیں، ربیعہ لوگوں کو گھروں سے پکار، پکار کر، لا رہا تھا، ابو جہل کو، اصرار تھا کہ جس قدر جلد ہوسکے، ہم اپنے قافلہ کی امداد اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے چلدیں لیکن، ابو لہب، امیہ، حارث بن عامر، عتبہ، شیبہ، حکیم ابن حزام ابو البختری، عاص ابن امیہ، ان تمام سرداروں کے نزدیک، مسلمانوں کے سامنے پہونچا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا، ان پر یہ ہیبت چند واقعات کی وجہ سے طاری تھی، جو دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی، انہیں ہم اگلے صفحات پر "متفرق واقعات" کے ذیل میں بیان کریں گے۔

قریش کی روانگی

بہر حال، قریش نے کسی نہ کسی طرح، اپنا اختلاف دور کیا، اور مکہ سے روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گئے، کہ اچانک انہیں خیال آیا، کہ ان کی عدم موجودگی میں کہیں بنی کنانہ ان کے اہل و عیال کو، کوئی نقصان نہ پہونچائیں، قریش کی بنی کنانہ سے بہت پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ اس خیال سے، زیادہ پریشان عتبہ تھا، قریش کی اس پریشانی کو شیطان نے دور کیا، جو سراقہ بن مالک بن خیثم کی صورت میں ظاہر ہوا، کیونکہ سراقہ، بنی کنانہ کے معززین میں سے ایک تھا، اس نے قریش کو اطمینان دلایا، اور کہا تم بے فکری سے، اپنے مشن پر جاؤ، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بنی کنانہ سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے مقابلہ ہم سب کا مشترکہ مقصد ہے (۱) شیطان کی اس یقین دہانی پر سب خوش ہوئے اور آخر کار یہ قافلہ مکہ سے روانہ ہو گیا۔

قافلہ قریش میں شرکا کی تعداد، نو سو پچاس تھی، جب کہ ان کے پاس، سو گھوڑے ستر اونٹ تھے، گانے بجانے والی عورتیں (۲) شراب اور عیش و عیاشی کا تمام سامان ان کے ہمراہ تھا، اس قافلہ کے کروفر کا حال، تاریخ کی کتابوں میں کچھ فرق کے ساتھ ملتا ہے لیکن بہر حال یہ اندازہ ہوتا ہے، سو گھوڑوں اور ستر اونٹ کی تعداد سواری کے جانوروں کے علاوہ تھی، نیز کھانے پینے کا تمام سامان، وافر مقدار میں موجود تھا چونکہ سب کے سب شیطان کے فریب میں مبتلا تھے۔ اس لیے تکبر و غرور نے ان کو آپے سے باہر کر رکھا تھا، انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے مسلمان ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور بس ان کی تلواریں، اُن کے سر قلم کرنے کے

---

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۳؛ (۲) معراج النبوۃ، ج ۳؛

لیے اٹھنے والی ہیں، انہیں کیا پتہ تھا کہ بدر کا دن، قیامت تک آنے والوں کے لیے "یوم الفرقان" ہوگا، شیطان انہیں یہ سوچنے کا موقع کہاں دے رہا تھا کہ وہ ذلت وخواری کے گڑھے میں گرنے جا رہے ہیں، موت ان کا انتظار کر رہی ہے اور وہ بھی نہایت ہی عبرت ناک موت؛

شیطان ان کو ہانکتا رہا، یہ مستیاں کرتے آگے بڑھتے رہے، جہاں ٹھہرتے وہاں اونٹ ذبح ہوتے، گوشت بھنتا، شراب کے جام چھلکتے، عورتیں ناچتیں، حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کی بدگوئی ہوتی اور جہاں تک ان کے قہقہوں کی آوازیں پہنچتیں، خدا کی مخلوق کی ان پر لعنت ہوتی ہے۔

پہلی منزل پر کھانے کا انتظام ابو جہل نے کیا اور دس اونٹ ذبح کیے، پھر جب قافلہ نے، مقام عفراء میں پڑاؤ ڈالا تو، امیہ بن خلف نے ان کے لیے نو اونٹ ذبح کیے مقام قدید پر سہیل بن عمرو نے دس اونٹ گرائے، قدید سے ساحل سمندر پہونچے اور عیاشی کے لیے ایک دن ٹھہرے، تو یہاں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کیے مقام جحفہ پر عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کیے، اور مقام ابواء پر منبہ بن الحجاج نے دس، پھر، عباس بن عبد المطلب نے دس، اور پھر ابو البختری نے دس اونٹ ذبح کیے (۱)

اونٹ ذبح ہونے کی اس تعداد سے اندازہ ہوتا ہے، کہ مورخین نے سو گھوڑے اور ستر اونٹ، قافلہ قریش کے جانوروں کی کل تعداد نہیں لکھی، بلکہ یہ وہ جانور ہیں، جو مقصد جنگ کے لیے، سواری کے جانوروں سے زیادہ تھے، ان کے علاوہ ذبح کرنے کے لیے اونٹ بھی کثیر تعداد میں موجود تھے، مختصر یہ کہ اس قافلہ کے پاس کسی ضرورت

---

(۱) البدایہ والنہایہ، ج ۳

کی چیز کی کمی نہ تھی، ان کا سفر تفریحی معلوم ہوتا تھا، کیونکہ مسلمانوں سے مقابلہ، ان کے نزدیک ایک مذاق تھا، تفریح تھی،

قافلۂ تجارت

ادھر قافلہ تجارت شام سے روانہ ہوکر، بہت ہی احتیاط کے ساتھ چھپتا، چھپاتا بدر کے قریب پہونچا، ان پر ایک خوف طاری تھا، کہ کہیں مسلمان چھپ کر حملہ نہ کر دیں، بدر میں ایک شخص مجدی بن عمرو، رہتا تھا، جس کو ابوسفیان جانتا تھا، بہت مشکل سے ابوسفیان مجدی کے پاس پہونچا، اور اس سے پوچھا، کیا تم نے یہاں سے مسلمانوں کو گذرتے یا ان کے جاسوسوں کو پھرتے دیکھا ہے، مجدی نے کہا، ایک دن میں نے دو سواروں کو دیکھا تھا، اور انہوں نے فلاں جگہ اپنے اونٹ بٹھائے اور ان کو پانی پلایا تھا، ابوسفیان وہاں پہونچا تو اس جگہ اونٹوں کی مینگیاں، پڑی دیکھی، اسے یقین ہوا کہ کوئی آیا ضرور ہے، لیکن کون آیا اور کہاں سے آیا، کیسے پتہ چلے، اہل عرب قافلوں اور ان کے اونٹوں کی پہچان وغیرہ میں بہت ماہر ہوتے تھے، ان کے اپنے طریقے تھے، جن سے وہ سب کچھ معلوم کر لیا کرتے تھے۔

ابوسفیان نے اونٹوں کی مینگیوں کو توڑا، تو ان میں، کھجوروں کی گٹھلیاں ملیں پس یقین ہوگیا کہ یہ اونٹ مدینہ سے آئے، اور یقیناً، جاسوسوں کے تھے جو ہماری تلاش میں ہیں نیز مسلمان، کہیں قریب وجوار ہی میں موجود ہیں، پس ابوسفیان نے تیزی کی اور اپنے قافلہ کو بدر سے دور، رکھتے ہوئے، سمندر کے کنارے کنارے، نکل گیا۔

جب ابوسفیان کو خطرہ ختم ہو جانے کا یقین ہو گیا، تو اس نے قریش کے پاس پھر قاصد دوڑایا، اور پیغام بھیجا، کہ اب چونکہ قافلہ محفوظ ہے اور عنقریب

مکہ پہونچنے والا ہے، لہٰذا کسی امداد کی ضرورت نہیں، اور اگر کوئی ٹولی امداد کے لیے مکہ سے روانہ ہو چکی ہے تو اُسے واپس بلا لیا جائے قاصد کی راستہ ہی میں مقام جحفہ پر ملاقات ہو گئی، اُس نے ابوجہل کو، ابوسفیان کا پیغام دیا، جب دوسرے سرداروں کی یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان قافلہ لے کر نکل چکا ہے اور قافلہ خیریت سے ہے، تو سب نے واپسی کا ارادہ کر لیا، لیکن ابوجہل جس کے سر پر موت منڈلا رہی تھی، نہ مانا کہنے لگا، اب ہم بدر جائیں گے، تین روز ٹھہر کر خوب عیش کریں گے، اونٹ ذبح ہوں گے، کھانے پکیں گے، ناچ و گانے کی محفلیں جمیں گی، تاکہ ہماری شہرت ہو مسلمانوں اور عرب کے قبیلوں کے دلوں میں ہماری ہیبت طاری ہو، عقبہ و شیبہ، قبیلہ بنو زہرہ اور بنو عدی کے سرداروں نے، ہر چند اس کو واپسی پر آمادہ کرنا چاہا لیکن وہ نہ مانا، آخر کار بنو عدی اور بنو زہرہ کے سرداروں نے اپنی قوم کے ساتھ واپسی کا فیصلہ کر لیا اور وہ چلے گئے۔

ابوسفیان، قافلہ لے کر مکہ پہونچا، اور کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر تیزی سے واپس آیا، قریش سے ملا، وہ یہ یقین رکھتا تھا کہ ابوجہل اپنی قوم کو بہت تیزی سے ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہے لیکن دوسروں کی طرح مجبوراً قافلے میں شامل رہا، اور سب مل کر اپنے مقتل یعنی میدان بدر میں آ پہونچے۔

یہاں ایک میلے کا سا، ساماں بن گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نیا شہر آباد ہو گیا، جانوروں کے ذبح ہونے کی آوازیں، آگ جلنے کا دھواں، گوشت بھننے کی خوشبو ناچ، گانا، عورتوں، مردوں کے قہقہے، غرضیکہ سب کچھ ہونے لگا، انہیں کیا خبر تھی ہلاکت و بربادی، ان کو، یہاں گھیر کر لائی ہے، انہیں کیا پتہ کہ یہ ان کی عیاشی کے آخری دن ہیں، وہ کیا جانیں، کہ ان کے تکبر و غرور، کو ایسا خاک میں ملایا جانے والا ہے کہ قیامت تک آنے والوں کے لیے، اُن کا انجام ذریعہ عبرت بن جائے گا۔

لشکرِ اسلام

نبی کریم علیہ السلام اپنے جانثاروں کے ساتھ، مقام صفراء ہی میں رونق افروز تھے اور اُن مخبروں کی واپسی کا انتظار فرما رہے تھے، جن کو آپ نے، قافلہ تجارت کی خبر معلوم کرنے کے لیے دوبارہ، بدر، روانہ کیا ہوا تھا،

مخبر واپس آئے اور انہوں نے خبر دی، کہ ابوسفیان تو اپنا قافلہ بچا کر نکل گیا لیکن مکہ سے، قریش ایک بڑا لشکر لے کر بدر پہنچ چکے ہیں، اور ہمارے منتظر ہیں اس خبر، پر نبی کریم علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا، کہ اب دشمن کی اطلاع مل جانے کے بعد مقابلہ کئے بغیر ہماری واپسی کے اثرات نہایت ہی خراب ہوں گے، نہ صرف یہ کہ، کفار مکہ کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔ بلکہ، مدینہ کے یہودیوں اور قرب وجوار کے، عرب پر بھی، ہمارا کوئی رعب باقی نہ رہے گا، گویا، اب تک تو صرف بیرونی اور خارجی حالات کا مقابلہ رہتا تھا آئندہ مدینہ کا اندرونی، امن وامان بھی تباہ ہو جائے گا، اور پھر حالات پر قابو پانا بہت ہی مشکل ہوگا۔

اسی دوران حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی الہٰی لے کر حاضر ہوئے، کہ اللہ تعالیٰ نے دو قافلوں میں سے، ایک کا آپ سے وعدہ کر لیا[1] ظاہر ہے کہ ایک قافلہ، یعنی قافلہ تجارت تو نکل چکا تھا، اب ایک ہی، یعنی قافلہ قریش سامنے تھا، پس، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا، کہ قافلہ قریش ہی کا مقابلہ، مرضی الہٰی ہے، اور فتح وکامرانی کا وعدہ بھی، پس، آپ نے وادی صفراء سے کچھ آگے بڑھ کر وادی ذفران" میں، صحابہ کو جمع فرما کر، ارشاد فرمایا، کہ اب حالات تبدیل ہو گئے ہیں قریش

---

[1] القرآن سورۂ انفال، ۷ ۔

اپنا لشکر لے کر، بدر میں ہمارا ، انتظار کر رہے ہیں، اور خدا نے وعدہ فرمایا ہے، کہ دو گروہوں میں سے تمہیں ایک، گروہ پر، غلبہ حاصل ہوگا ، پس سب مشورہ دیں کہ ان حالات میں کیا، کیا جائے۔

ظاہر ہے، اچانک حالات کی تبدیلی کا صحابہ پر، ضرور کچھ اثر ہونا تھا ، انہوں نے خیال کیا۔ کہ ہم نہ تو جنگ کے ارادے سے نکلے اور نہ ہی، ہمارے پاس جنگ کا ساز و سامان ہے، اور تعداد بھی بہت کم ہے، لہٰذا عرض کرنے لگے، کہ ہمارے حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم قافلہ ابوسفیان کا تعاقب کریں، لشکر قریش کے سامنے جانا تو، بالکل اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دینا، جیسا ہوگا۔ یہ ایک عام رائے تھی، لیکن حضور علیہ السلام نے اس کو ناپسند فرمایا، تو فوراً ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے، آپ کی مرضی کا احساس کرتے ہوئے، گردنیں جھکا دیں اور سب سے پہلے، رفیق غار مزاج شناس رسول، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور آپ نے ایک نہایت ہی مؤثر تقریر فرمائی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ نے پُر زور انداز میں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی، اور کہا ،

"یا رسول اللہ، قریش کے معززین ہمارے مقابلے کے لیے نکلے ہیں وہ ہمیشہ سے کافر ہیں، انہوں نے کبھی ذلت و رسوائی کا سامنا نہیں کیا، وہ ایمان نہیں لائے اور اب بھی ایمان نہیں لائیں گے، ہمیں ان سے لڑنا چاہیئے تاکہ انہیں اپنی حیثیت کا پتہ چل جائے"

حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دعا دی، اور آپ دونوں سے خوش ہوئے۔

تقریر، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد، حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا ۔

"یا رسول اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس پر عمل فرمایئے ہم آپ کے ساتھ ہیں، اور آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم، ہرگز وہ نہ کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا، کہ ۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○ — تم جاؤ اور تمہارا رب دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھتے ہیں (۱)

بلکہ ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ

اذهب انت وربك فقاتلا انا معكما مقاتلون ۔ — آپ جائیں اور آپ کا رب دونوں لڑیں اور ہم دونوں کے سہارے لڑیں گے (۲)

یہ محبت بھری، پرجوش تقریر سن کر، نبی کریم علیہ السلام خوش ہوئے اور صحابہ کرام میں ایسا جوش جہاد پیدا ہوا، کہ اب وہ بغیر کسی تاخیر کے کفار کے سامنے پہونچنا چاہتے تھے لیکن حضور علیہ السلام کو ابھی، انصار میں سے کسی کی رائے کا انتظار تھا،

تقریر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اندازہ کر لیا، کہ حضور علیہ السلام، انصار

۱؎ القرآن، مائدہ، ۲۴ ۔ ۲؎ البدایہ والنہایہ ۔ ج ۔ ۳ ۔

کی طرف سے بھی، اظہارِ خیال چاہتے ہیں لہٰذا، آپ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، قسم، اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اگر، آپ، دریا میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں گے، تو بھی ہم تعمیل کریں گے، اور ہم میں سے کوئی پیچھے، نہ رہے گا، جس کے ساتھ، آپ چاہیں تعلق رکھیں، اور جس سے منقطع کرنا چاہیں منقطع فرمالیں، اور جس قدر چاہیں، ہماری دولت میں سے خرچ کریں ہمارے لیے باعث خوشی ہوگا، اور جو چاہیں چھوڑ دیں، اور قسم اس خدا کی، جس کے قبضہ میں ہماری جان ہے، ہمیں دشمن تک پہونچنا اور اس سے جنگ کرنا ہرگز ناگوار نہیں، شاہد اللہ تعالیٰ، ہم سے آپ کو کوئی ایسی چیز دکھائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، اور آپ خوش ہو، پس، اب، اے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ارادہ فرمائیں جو چاہیں۔

یہ گفتگو سن کر حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک چمک اٹھا، اور آپ نے غلاموں سے وہی کچھ سنا جسکی آپ کو امید تھی، پس آپ نے فرمایا۔

سیروا علی برکۃ اللہ وابشروا	چلو، خدا کی برکت سے، خوش ہو کہ اللہ
فان اللہ وعدنی احدی	نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ
الطائفتین۔	فرمایا ہے۔
واللہ لکانی الآن انظر الی	قسم خدا کی، دشمنوں کے ہلاک ہونے کی
مصارع القوم۔	جگہیں میری نظروں کے سامنے ہیں۔

[illegible]

صحابہ کا حال

اپنے ساتھیوں کی تقریریں سننے اور حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کو سننے کے بعد تمام صحابہ، دیوانے اور متوالے نظر آرہے تھے، اب ان کے دلوں میں نہ گھبراہٹ تھی اور نہ ہی دشمن کا خوف انہیں موت نظر نہیں آرہی تھی، بلکہ ہمیشہ کی زندگی کا یقین تھا، ایسی زندگی کہ اس دنیا سے جانے کے باوجود بھی انہیں کوئی مردہ، نہ کہہ سکتا ہے اور نہ سوچ سکتا ہے اب وہ بالکل الحمد سے آگے بڑھ رہے تھے، نہ تعداد کی کمی کا خیال، نہ ہتھیاروں کی کمی کا احساس، کیوں، صرف اس لیے کہ وہ اپنے کسی کام سے نہیں جارہے تھے، اپنی مرضی سے نہیں جارہے تھے، کام اللہ کا تھا، مرضی رسول کی تھی، بندے تو، صرف تعمیل کرتے ہیں، سو، وہ کر رہے تھے، اور جو، تعمیل کرتے ہیں وہ کبھی ناکام ونامراد نہیں ہوتے بس کسی صحابی کو ناکامی کا شک وشبہ تک نہ تھا، مجاہدین اسلام کا یہ قافلہ چلتا رہا۔

بدر کے قریب

شام تک مسلمانوں کا یہ قافلہ، بدر کے قریب تھا، جہاں، حضور علیہ السلام نے کچھ آرام کے لیے قیام فرمایا، حضرت علی اور چند دیگر صحابہ کو حکم دیا کہ آگے جاکر، کچھ حال معلوم کریں، یہ صحابہ کچھ ہی دور چلے تھے کہ انہیں، دو غلام نظر آئے، صحابہ ان کو پکڑ کر قافلہ میں لے آئے اور ان سے پوچھ گچھ شروع کی، حضور علیہ السلام اس وقت نماز میں مصروف تھے، صحابہ نے ان دونوں سے سوال کیا کہ ابوسفیان کے غلام ہو، انہوں نے انکار کیا تو ان کو مارنا شروع کردیا، جب ان کی پٹائی ہوئی، تو کہنے لگے کہ ہم ابوسفیان ہی کے غلام ہیں اتنے میں، نبی کریم علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے آپ نے فرمایا ان غلاموں نے سچ بات کہی تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹ بولا، تو تم سچ سمجھے، یہ ابوسفیان

کے غلام نہیں، لشکر قریش ہی میں سے ہوں، پھر آپ نے ان سے لشکر کا حال دریافت کرنا شروع کیا جس کو ہم، قارئین کی سہولت کے لیے بصورت مکالمہ پیش کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام۔ لشکر قریش کی تعداد کتنی ہے۔

غلام ۔ ہمیں صحیح تعداد تو معلوم نہیں، ہاں، لشکر کافی بڑا ہے۔

حضور علیہ السلام۔ ان کے کھانے کے لیے، کتنے اونٹ روزانہ ذبح کئے جاتے ہیں

غلام ۔ کسی دن، دس، کسی دن نو۔

حضور علیہ السلام ، گویا نو سے زائد اور ہزار سے کم افراد ہیں، اچھا یہ بتاؤ، کہ قریش کے سرداروں میں سے کون کون لشکر میں آیا ہے۔

غلام ، جو سردار، معززین، لشکر میں شامل ہیں، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں ۔ عتبہ، شیبہ، ابوالحکم ابن حزام، طلحہ بن عدی، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل، امیہ بن خلف، سہیل بن عمر عباس بن عبدالمطلب،

حضور علیہ السلام صحابہ کرام سے۔

تاتی مکۃ الیوم بافلاذ کبدھا کہ اپنے سارے جگر پارے لے آیا ہے[1]

حضور علیہ السلام ، غلاموں سے

کیا کوئی، ان میں سے واپس بھی چلا گیا ہے۔

غلام ، جی ہاں، بنو زہرہ اور بنو عدی واپس چلے گئے ہیں۔

ان معلومات سے فارغ ہو کر، آپ نے اسی مقام پر ٹھہر کر، مقابلہ کرنے کا فیصلہ فرمایا لیکن حضرت حباب بن المنذر عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ، کیا یہ فیصلہ

وحی کے مطابق ہے، آپ نے فرمایا نہیں، اس سلسلہ کوئی وحی نازل نہیں، پس حباب نے گذارش کی، کہ کچھ آگے کنواں ہے، ہم وہاں قیام کریں تو جنگی اعتبار سے بھی مناسب ہوگا، اور پانی کی تکلیف بھی نہ رہے گی آپ نے اس رائے کو پسند فرمایا، اور اسی مقام پر پہونچ کر قیام کیا،

غرضیکہ، اب دونوں لشکر، اپنی، اپنی زندگی کے اہم موڑ، پر پہونچ چکے تھے ایک وہ تھے جو اللہ کے لیے جینا، اور اللہ ہی کے لیے مرنا چاہتے تھے، دوسرے وہ تھے، کہ تکبر و غرور نے، ان کے ذہنوں سے، موت کا تصور تک نکال دیا تھا۔ ایک وہ تھے، جنکا سہارا صرف اللہ، اور رسول، پر تھا دوسرے وہ جنہیں، اپنی تعداد و سامانِ جنگ پر ناز تھا، ایک وہ تھے جو خدا کے بھیجے ہوئے، اور رسول کے لائے ہوئے تھے، دوسرے وہ جنہیں شیطان لعین نے ڈھکیلا تھا، ایک وہ تھے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾	اللہ راضی ہوگیا ان سے، اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہی اللہ کا گروہ ہیں، سن لو اللہ ہی کا گروہ، کامیاب و کامران ہے۔ (پ ۲۸، المجادلہ، ۲۲)

اللہ، ان سے خوش، وہ اللہ سے خوش، کامیابی و کامرانی، ان کا مقدر ہے، اور دوسرے وہ تھے؛

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡہِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰہُمۡ ذِکۡرَ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ	ان پر شیطان نے قبضہ کر لیا ہے، اور اُس نے، ان کو اللہ کی یاد بھلا دی ہے یہی لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں، خوب سن لو کہ شیطان کا ٹولہ ہی، یقیناً نقصان اٹھانے

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ والا ہے،

(پ ۲۸ ، المجادلہ ۱۹)

لشکرِ اسلام میں شیطان

شیطان لشکرِ اسلام میں بھی آیا، اپنا کام کرنے کی بہت کوششیں کی، لیکن، جن کو دامن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل ہو، وہ کب شیطان کے مکر وفریب کا شکار بن سکتے ہیں۔

صحابہ تھکے، ہارے تھے، ریتیلی زمین میں، پیر دھنسے جاتے تھے، چلنا تک دشوار تھا، پانی بھی اتنی مقدار میں نہ تھا کہ غسل ووضو کر کے تھکان کم کر لیں، کھانے کا بھی کوئی خاص انتظام نہ تھا، واقعی نازک وقت تھا، اور شیطان اپنا کام کرنے کے لیے، ایسے ہی وقت کی تلاش میں رہتا ہے، پس موقع ملتے ہی مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا کرنے لگا رسول کے ساتھی، خدا کا لشکر ہونے کا شرف حاصل ہے، حق پر بھی ہونے کا دعویٰ ہے، لیکن پھر یہ کیا ماجرا ہے، کہ آرام اور ضروریات زندگی سب کچھ دشمنوں کو نصیب ہیں، ہم پانی کو بھی ترستے ہیں، دلوں میں یہ وسوسہ آنا تھا، کہ خدا نے، اپنے دین کے محافظوں پر رحم فرمایا ایسی بارش ہوئی، کہ صحابہ شکر ادا کرتے جاتے، اور حیرت میں تھے، کہ یہ بغیر آثار کے اچانک بارش کیسی، سب نے اپنی ضروریات کو پورا کیا، زمین سخت ہو گئی کہ چلنا پھرنا آسان ہو گیا، قریبی کنواں پانی سے بھر گیا، کچھ گڑھے کھود کر، پانی محفوظ بھی کر لیا گیا، اور لشکر کفار چونکہ نشیب میں تھا، لہٰذا، ان کی جگہ پر پانی بھر گیا، دلدل بن گئی، پانی ایک ہی آسمان سے برسا، لیکن نیکوں کے لیے رحمت بنا اور بدوں کے لیے مصیبت و زحمت بن گیا، پانی پر اگرچہ قبضہ مسلمانوں کا تھا، لیکن ساقی کوثر، صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو پیاسا دیکھنا کب گوارا فرما سکتے تھے، لہٰذا ان کے پیاسوں کو بھی پانی پینے کی عام اجازت تھی۔

سلہ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص

عریش

چھپر، سائبان، کچھ کہئیے، غرضیکہ سر چھپانے کی جگہ کو، عریش کہا جاتا ہے، اب چونکہ جنگ کی آخری تیاریاں ہو رہی تھیں، لہٰذا، غلاموں کو اپنے آقا کا خیال آیا، حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض، یا رسول اللہ، اگر، اجازت ہو، تو ہم آپ کے لیے، میدان جنگ سے کچھ فاصلہ پر، ایک عریش بنا دیں، تاکہ آپ کی نظر مبارک ہم غلاموں پر رہے، اور دشمن بھی آپ تک نہ پہونچ سکے آپ کی سواری عقبہ، آپ کے قریب رہے گی، اگر، اللہ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، تب تو غلام، آپ کے ساتھ ہی واپس ہوں گے، بصورت دیگر، آپ، سوار ہوں اور مدینہ تشریف لے جائیں، ہمیں یقین ہے، کہ مدینہ میں موجود ہمارے بھائی، آئندہ آپ کا اسی طرح ساتھ دیں گے، جیسے ہم خدمت عالی میں حاضر ہیں، اگر انہیں خبر ہو جاتی، یا آپ حکم فرماتے تو وہ بھی، ہمارے ساتھ، میدان جنگ میں موجود ہوتے، حضور علیہ السلام نے، حضرت سعد کی رائے کو پسند فرمایا، اور غلاموں نے مل کر، آقا کے لیے ایک سائبان بنا دیا۔ نیز فیصلہ کیا، کہ حضور کے ساتھ، لطور خادم، رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رہیں گے،

معائنہ

حضور نبی کریم علیہ السلام، چند صحابہ کے ہمراہ میدان جنگ کا معائنہ کرنے، نکلے آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، جس سے آپ زمین پر جگہ، جگہ، لکیریں بناتے جاتے، اور فرماتے، کہ یہاں ابوجہل، ہلاک ہو کر، گرے گا، یہاں، فلاں اور یہاں فلاں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے جس جگہ جس کافر کے نام کی لکیر بنائی تھی، وہ، قتل ہوا۔ اور اُسی جگہ گرا، بال برابر فرق نہ ہوا،

دعا اور نیند

رات کا، کافی حصہ گذر چکا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں رونق افروز ہو کر، عبادت و دعا میں مصروف ہوئے، اور، صبح جن سپاہیوں کو ایک بڑے لشکر کا مقابلہ کرنا ہے ان کے سکون و اطمینان کی یہ حالت کہ، سب کے سب سو گئے، اور خوب سوئے ایسے سوئے، جیسے کوئی کسی تفریح گاہ میں سوتا ہے، کیوں نہ سوتے، دنیا کی عزت اور آخرت کی نجات کا کفیل و ضامن جو ساتھ تھا، کیوں نہ سوتے نبی پر مکمل اعتماد جو تھا، آج بھی، جو نبی پر اعتماد کر لیتے ہیں، ان کی زندگی بڑی ہی پُر سکون ہو جاتی ہے، نبی ہی کے صدقہ میں، دین کے محافظوں پر خدا کا یہ انعام تھا کہ وہ میدان جنگ میں خوب سو رہے تھے [1]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ میری نیند کا یہ حال تھا، کہ کئی مرتبہ میں نے، اٹھنے کی کوشش کی لیکن نیند نے ہر بار، سلا دیا، حضرت، سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نیند نے ایسا مدہوش کیا تھا، کہ، میں اپنی ٹھوڑی اچھاتے پر رکھے، بے ہوش پڑا رہا، جب ذرا ہوش آیا تو دوسری طرف جا پڑا [1]

لیکن دوسری طرف، اضطراب تھا، بے چینی اور خوف و ہراس تھا، ہر ایک کو اپنی موت نظر آ رہی تھی، ذلت و خواری کے گڑھے نظر آ رہے تھے

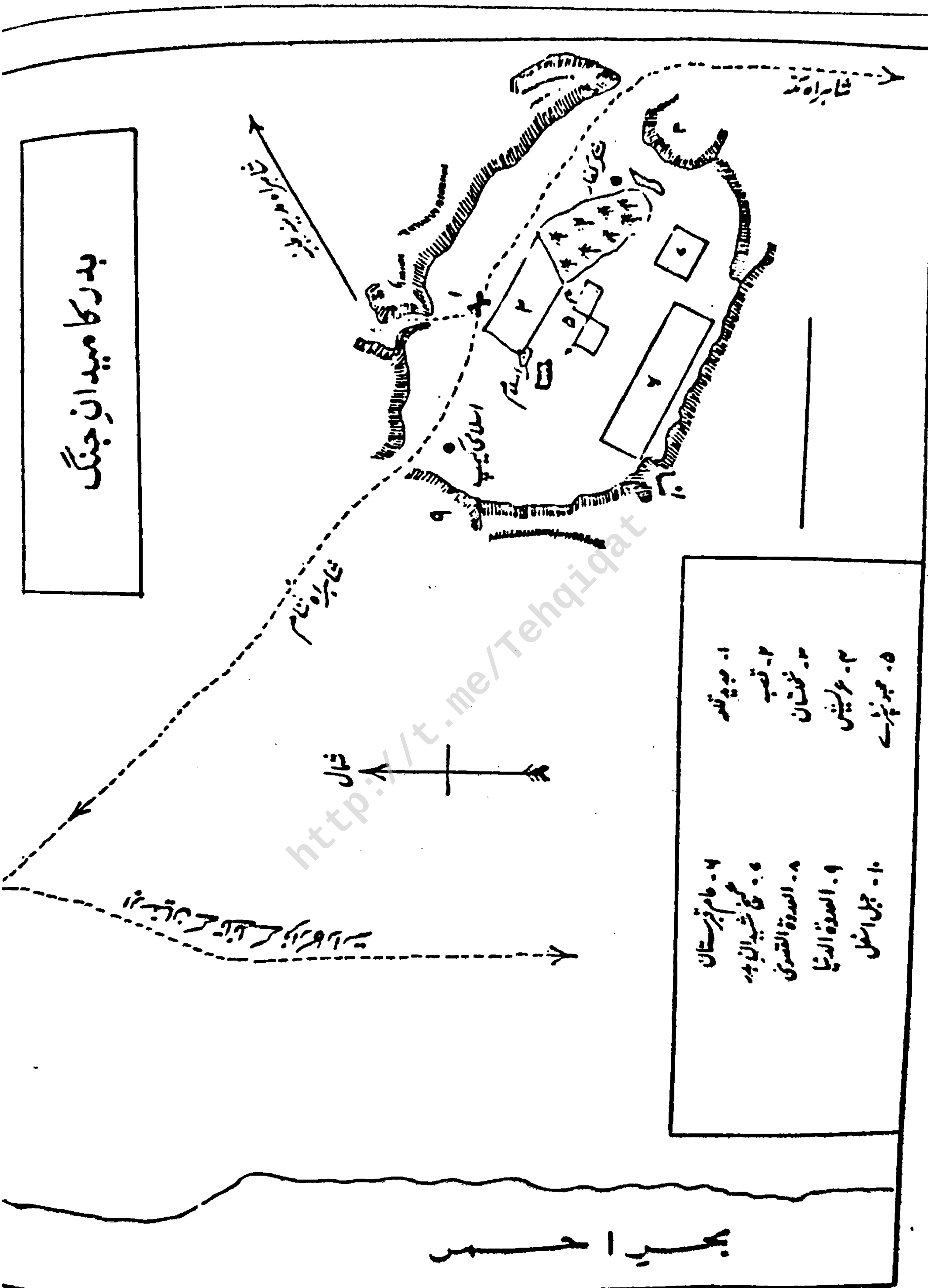
حضور علیہ السلام نے، رات ہی کے وقت عمار بن یاسر اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو، دشمن کے لشکر کا حال معلوم کرنے بھیجا، یہ دونوں بے خوف و خطر، لشکر کے گرد چکر لگا کر واپس آئے، اور بتایا، کہ، اُن سورماؤں کے ڈر، اور گھبراہٹ کا یہ حال ہے کہ اگر، ان کا گھوڑا بھی ہنہناتا ہے، تو وہ، اس کے منہ پر، ہاتھ مارتے اور اس کو

---

[1] القرآن، سورۂ انفال، ۲۔ شرح الہ النبوۃ

خاموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حق یہ ہے، کہ قوت و طاقت، ہمت و بہادری، نہ تو جسمانی قوت سے ملتی ہے نہ ہی تعداد مال و دولت اور وسائل کی کثرت سے، یہ جوہر، خدا پر ایمان رکھنے والوں نبی کی اطاعت کرنے والوں، اور ان کے عاشقوں ہی کو نصیب ہوتا اور اس کثرت سے ملتا ہے، کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا سامنا نہیں کر پاتی۔



ماخوذ، از ضیاء القرآن

يَوْمُ الْفُرْقَانِ

(حق و باطل میں امتیاز کا اہم دن)

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى	اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے
الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ	دو گروہوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے
وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ	لیے ہے، اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ	گروہ تمہارے حصہ میں آئے اور اللہ چاہتا
اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ	تھا، کہ حق کو حق کر دے، اپنے ارشادات
وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ	سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ	ثابت کر دے حق کو اور مٹا دے باطل کو
الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ	اگرچہ ناپسند کریں، عادی مجرم۔
الْمُجْرِمُوْنَ ۚ	(پ ۹، انفال، ۷، ۸)

۲ھ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ جمعہ کے مقدس دن کی صبح صادق، آقا نے اپنے محبوب غلاموں کو، الصلوٰۃ خیر من النوم[1] کے پیارے جملے سے پکارا، وہ جو، خدا کے سلائے، بڑی گہری نیند سوئے تھے، بلا شبہ، ان کا سونا بھی عبادت تھا، اب انہوں نے آقا کی ایک آواز سنی، تو ایسے اٹھے، جیسے سوئے ہی نہ تھے، ضروریات سے فارغ ہو صف بستہ، رسول کے دربار میں حاضر ہو گئے اور خدا تک پہونچانے والے رسول نے

---

[1] نماز نیند سے بہتر ہے۔

اللہ اکبر کی صدا کے ساتھ، اپنے غلاموں کو رب حقیقی کے دربار میں حاضر کر دیا، نماز فجر ہوئی، کیا عجیب نماز ہوگی یہ، کہ سجدے کرنے والے، ان سجدوں ہی کی حفاظت کے لیے سر پر کفن باندھے کھڑے ہیں، کتنی محبت ہے، ان کو سجدوں سے، کہ جھکنے والے سروں کو کٹانے کے لیے تیار ہیں، تاکہ قیامت تک سجدے ہوتے رہیں، نماز ہوئی، دعا ہوئی سب نے مل کر، رو، رو کر، وہ مانگا، جس کی آج سب سے زیادہ ضرورت تھی، جو مانگ رہے تھے اس کا وعدہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا، رب ہم تمہیں، دو جماعتوں میں ایک عطا فرمانے کا وعدہ کر چکے ہیں،ؐ رسول تو، یہ بھی بتا چکے تھے، کہ کون کہاں مرے گا، لیکن، پھر بھی دعا کی اور خوب کی، کہ مانگتے رہنا عبدیت کی شان ہے، معبود مانگنے والوں سے بہت خوش رہتا ہے، اس کے دربار میں جھکنے والوں ہی کو عظمت حاصل ہے، متکبرین کا ٹھکانہ تو جہنم کی آگ ہے۔

نماز سے فارغ ہو کر، آقا نے غلاموں پر ایک ایسی مشفقانہ نظر ڈالی، کہ ہر عاشق، متوالا ہوگیا اور پھر آپ نے اسلام میں جہاد کی ضرورت، مجاہدین کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے شہید، ہونے والوں کو، ابدی زندگی، اور یقینی جنت کا مژدہ سنایا، تو، ہر ایک ایسا بیتاب و بے چین نظر آرہا تھا، جیسے جنت نظروں کے سامنے ہے، لیکن زندگی کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، کسی طرح وہ کھلیں تو اس قید سے رہائی ملے، اور جنت کی آزادانہ زندگی نصیب ہو۔

جھنڈے

اصول جنگ کے مطابق حضور علیہ السلام نے اپنے مختصر، باوقار، نورانی لشکر کو تین

لہ القرآن، سورۂ انفال:

حصوں میں تقسیم فرمایا، مہاجرین، قبیلہ خزرج، قبیلہ اوس، سب سے بڑا جھنڈا مہاجرین کا تھا جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، قبیلۂ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن المنذر کو دیا گیا، جب کہ قبیلہ اوس کا علمبردار حضرت سعد بن معاذ کو بنایا گیا۔

مشرکین کے ساتھ بھی تین جھنڈے تھے، جنہیں، ابو عزیز بن عمیر، نضر بن حارث اور طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھایا ہوا تھا

صف بندی

جنگ کے آغاز سے پہلے آپ نے لشکر اسلام کو، اپنے، اپنے، جھنڈوں کے ساتھ صفیں بنانے کا حکم دیا، آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، جس کے اشارے سے آپ غلاموں کو سیدھا کھڑے ہونے، برابر، اور مل کر کھڑے ہونے کا حکم دے رہے تھے، کہ اسی دوران ایک عاشق کا عشق بھڑک اٹھا۔

عشق بھڑک اٹھا

یہ بات ہے حضرت سواد انصاری رضی اللہ عنہ کی، کہ ان کا پیٹ بڑا ہونے کی وجہ سے صف سے باہر نکل رہا تھا، حضور علیہ السلام نے پیٹ پر چھڑی، چبھوتے ہوئے فرمایا "استوی یا سود" اے سواد، سیدھے ہو جاؤ، پیٹ سے چھڑی کا لگنا تھا کہ سواد کا عشق بھڑک اٹھا، اور فوراً بولے، یا رسول اللہ، اللہ نے آپ کو حق و سچائی کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آپ انصاف کرنے والے ہیں، میرے ساتھ انصاف فرمایئے اے، اللہ کے رسول میرے پیٹ پر، آپ نے چھڑی ماری جس کا بدلہ، آپ پر واجب ہو گیا۔

اللہ اکبر، اندازہ کیجیے، عاشق کی عقل بھی کس قدر تیز ہوتی ہے، کہ حالات جنگ میں

کھڑے ہونے کے باوجود، کتنی جلدی، اپنا مطلب نکالنے کے موقع حاصل کر لیا۔

حضور علیہ السلام نے اپنا پیٹ کھولتے ہوئے فرمایا، اے سواد یہ ہے چھڑی تم اپنا بدلہ لے لو تمام صحابہ، اس منظر کو دیکھ کر حیران تھے، کہ اس نازک موقع پر سواد کی یہ حرکت کچھ موزوں نہ تھی سواد نے، آقا کے مقدس پیٹ پر ایک نظر ڈالی، اور لپٹ کر خوب بوسے دیئے، اور پھر خود ہی عرض کرنے لگے، حضور گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، نبی کریم علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے پوچھا، اے سواد تم نے ایسا کیوں کیا۔

عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ، جنگ کی تیاری ہے، شہادت کی آرزو ہے، بس چاہا کہ آخر وقت، میرے جسم کو آپ کے جسم مبارک سے مس ہونے کا شرف حاصل ہو جائے تا کہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہنا یقینی ہو جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے غلام کی یہ محبت بھری ادا بے حد پسند آئی اور آپ نے خصوصی دعا فرمائی[1] یہ مظاہرہ عشق بھی تھا، اور اظہارِ عقیدہ بھی، خدا ہر مسلمان کو ایسا ہی خوش عقیدہ کرے۔

ہدایات

تم میں سے کوئی، میری اجازت کے بغیر، نہ تلوار چلائے، نہ ہی آگے بڑھ کر حملہ کرے اگر دشمن تمہارے قریب آکر حملہ کرے، تم اس کو پتھروں سے روکنا، اور اگر حملہ دور سے تیروں کا ہو تو تم، پتھروں سے ان کو روکنے کی کوشش کرنا، کسی قسم کی برتری یا تکبر کی بات زبان سے، نہ نکلنے پائے بلکہ کوئی شور وغل بھی نہیں ہونا چاہیئے صرف زبانوں پر اللہ کا نام، اس کی تسبیح دہاکی رہے اور جو بھی ہم میں سے شہید ہوگا، بلاشبہ اس کا مقام جنت ہی ہے، یہ تھیں ہدایات، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو میدان جنگ میں

---

[1] البدایہ والنھایہ، ج ۳، ص ۲۷۱

لشکرِ قریش

اب لشکرِ اسلام، باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے، بالکل تیار تھا، ان کے دل مطمئن تھے چہرے نورِ ایمان سے چمک رہے تھے، کیونکہ یہ جو کچھ کر رہے تھے، اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے کر رہے تھے، انہوں نے گردنیں کٹانے کا عزم کیا تھا، تو کسی مقصد اور کسی منزل کے حصول کے لیے، لیکن، لشکرِ قریش اب تک پریشان حال تھا، غیر مطمئن تھے، ان کے چہروں پر گھبراہٹ، کے آثار نمایاں تھے، کیونکہ ان کے سامنے نہ تو کسی کی رضا تھی، نہ ہی کوئی مقصد تھا اور نہ کوئی منزل متعین تھی، ان کو تو، ذلت و خواری کے اس مقام پر، ان کی مسلسل بغاوت، تکبر و غرور نے لا کھڑا کیا تھا، اسی لیے، آخر وقت تک ان میں اختلاف تھا، حتیٰ کہ جب یہ اپنی صف آرائی کر چکے تو انہوں نے ایک مرتبہ پھر لشکرِ اسلام کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے، عمیر بن وہب کو بھیجا،

عمیر نے لشکرِ اسلام کا بخوبی جائزہ لیا، اور واپس ہو کر، اس طرح بیان دیا، کہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً تین سو ہے، ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں، لیکن، اے گروہِ قریش مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اونٹوں پر موت سوار ہے، وہ سانپوں کی طرح زبانیں منہ سے نکالتے ہیں، تو، خدا کی قسم، ان میں سے کوئی بھی ہم میں سے ایک کو قتل کئے بغیر، قتل نہیں ہو سکتا، اور اگر وہ، اپنی تعداد کے مطابق ہمارے آدمیوں کو مار کر، مرے، تو ہمارا جینا کتنی خواری کا ہوگا، بس میں مشورہ دیتا ہوں، کہ ابھی وقت ہے، پھر سوچ لو اور کوئی بہتر راستہ تلاش کر لو۔

حکیم ابن حزام[1] نے یہ حال سنا، تو عتبہ بن ربیعہ کے پاس پہونچا، اور کہنے لگا،

---

[1] فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ۱۲۰ برس عمر پائی، ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

اے ابوالولید! تو قریش کا سردار ہے، میں تجھے ایک ایسا مشورہ دیتا ہوں، کہ تو ہمیشہ کی نیک نامی پالے گا، عتبہ بولا، بتاؤ، میں کیا کر سکتا ہوں، حکیم نے کہا، دیکھو، اس جنگ کی اصل وجہ حضرمی کے خون کا بدلہ ہے، جو تیرا حلیف تھا، تو اس کا خون بہا ادا کر دے، تو جنگ کی وجہ ختم ہو جائے گی، اور یہ مصیبت سر سے ٹل جائے گی، عتبہ نے کہا، میں تیار ہوں اور ہرگز جنگ نہیں چاہتا، لیکن تو ابوجہل کے پاس جا اور اس کو راضی کر لے، کہ اس کی مرضی کے بغیر، میری بات کا کوئی اثر، نہ ہوگا، وہ تو لڑائی کرانے پر تلا ہوا ہے۔

حکیم ابن حزام، ابوجہل کے پاس پہونچا، تو وہ بیٹھا، اپنے تیروں پر تیل مل رہا تھا حکیم نے عتبہ سے اپنی گفتگو، اس کو بتائی، اور کہا، اب اگر تو راضی ہو جائے، تو ہمارے سروں سے موت کے بادل چھٹ سکتے ہیں، ابوجہل، ایک دم سیخ پا ہو گیا، اور کہنے لگا کہ، عتبہ کا، سینہ پھول گیا ہے (یعنی وہ بزدل ہو گیا ہے) صرف اس لیے کہ اس کا بیٹا، ابوحذیفہ مسلمان ہو چکا ہے اور اس وقت لشکر میں ہے، عتبہ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنے بیٹے ہی کی تلوار سے نہ مارا جائے۔

پھر ابوجہل نے، پورے لشکر میں آگ لگانے کے لیے، یہ ساری بات، عمر بن حضرمی کے بھائی عامر بن حضرمی کو سنائی، عامر سنتے ہی، چیخنے چلانے، اور عرب کے دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑنے اور اپنے بھائی کا ماتم کرنے لگا، جب یہ حال، عتبہ نے دیکھا، اور اسے معلوم ہوا کہ ابوجہل نے اُسے بزدلی کا طعنہ دیا ہے، تو وہ کہنے لگا، ابوجہل کو، اپنی دُبر زرد کئے ہوئے، جلدی ہی پتہ چل جائے گا، کہ کس کا سینہ پھول گیا ہے، سخت غصہ میں وہ اٹھا، اور میدان جنگ میں جانے کے لیے تیار ہونے لگا وہ ایک خود، تلاش کرتا رہا،

۲ؔ ابوجہل خبیث کی دُبر پر، برص کا ایک گول داغ تھا، جسے وہ زعفران سے زرد کیا کرتا تھا۔

لیکن اس کا سر اتنا بڑا تھا، کہ کوئی خود، اس کو نہ مل سکا، آخر کار، اس نے چادر سے سر ڈھانپ لیا، اور، اب لشکرِ قریش جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھا،

حق و باطل آمنے سامنے

دونوں لشکر ایک دوسرے سے قریب ہوئے، تاریخِ اسلام میں، حق و باطل کے آمنے یہ پہلا، موقع اور عجیب منظر تھا، مسلمان خدا کا شکر ادا کر رہے تھے، کہ پندرہ سال کی قلیل مدت میں خدا نے ان کو اتنی ہمت و جرأت عطا فرمادی، کہ آج وہ ظالموں سے آنکھیں ملائے، اُن کا سر کچلنے کے لیے تیار کھڑے ہیں اب نہ کسی کا رعب ہے، نہ ڈر، کفارِ قریش یہ منظر دیکھ کر ہی جلے بھنے جا رہے ہیں، کہ کل تک انہوں نے جن کی گردنیں دبا رکھی تھیں آج وہ ان کے سینوں پر سوار ہونے والے ہیں، کل تک جو مظلوم تھے، آج وہ قیامت تک کے لیے، مظلوموں کا سہارا بن کر، ظالموں کے مقابلے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

کیسا عجب منظر تھا، حضرت ابوبکر نے، اپنے بیٹے عبدالرحمٰن[۱] کو دیکھا تو تلوار تان کر آگے بڑھے حضرت حذیفہ نے، اپنے باپ عتبہ کو دیکھا، تو سر قلم کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے، بھائی کو بھائی قتل کر دینے کے لیے تیار کھڑا تھا، اس منظر کو دیکھنے والو، یہ نہ سوچنا، کہ اسلام نے بھائی کو بھائی سے، باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا، ایک قبیلہ، ایک رنگ، ایک زبان کے لوگوں کو باہم ٹکرا دیا، نہیں ایسا نہیں، بلکہ اسلام نے تو، صلہ رحمی کی بے حد تاکید فرمائی، قاطع رحم کو جہنمی قرار دیا ہے، بس صرف اتنی بات ہے، کہ اسلام تمام تعلقات کا مرکز و سرچشمہ، اللہ اور اس کے رسول کو قرار دیتا ہے، وہ سب بھائی ہیں جن کا تعلق اللہ اور رسول سے ہے، چاہے، ایک قبیلہ کے ہوں، یا مختلف

---

[۱] اس وقت تک کافر تھے، سنہ ۶ھ میں مسلمان ہوئے۔

قبائل کے، ایک رنگ یا مختلف رنگ ہوں، ایک زبان یا مختلف زبانیں بولتے ہیں، اسلام نے عصبیت کے تمام بتوں کو چکنا چور کر ڈالا اسی لیے، جس کا تعلق اسلام سے نہ ہو، اہل اسلام کا اس سے کوئی رشتہ نہیں رہتا، جو خدا کا باغی ہے وہ مسلمان کا ساتھی کب ہو سکتا ہے جو رسول کا دشمن ہے، وہ غلام رسول کا دوست کب رہ سکتا ہے، یہ منظر تو، بدر میں دکھایا گیا، کہ ابو بکر، ایک حبشی غلام، بلال کو تو گلے لگاتے ہیں، لیکن اپنے جگر گوشے کو دیکھ سر قلم کر لینے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔

دعاءِ نصرت

نبی مکرم علیہ السلام نے جب دشمن کے لشکر کو آگے بڑھتے ملاحظہ فرمایا، تو آپ اپنے عریش میں تشریف لے گئے، آپ کے ہمراہ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے رب حقیقی کے حضور سجدہ کیا، اور نہایت گریہ وزاری کے ساتھ دعا فرمائی، حال یہ تھا کہ آپ کی چادر مبارک، بار بار، کاندھے سے گر جاتی اور حضرت ابو بکر، اٹھا کر، شانہ مبارک پر ڈالتے، اور آپ فرماتے۔

اللھم انجزلی ما وعدتنی ،	اے اللہ، مجھ سے کیا ہوا، اپنا وعدہ پورا فرما، اے، اللہ اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت
اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ	کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر تیری عبادت
لا تعبد فی الارض ۔	کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

دعا کرتے کرتے، جب حضور پر از یادہ گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوئی، تو یار غار نے ہمت کر کے آپ کو گلے لگا لیا، اور پورے اعتماد سے عرض کیا، اے میرے

ے روح البیان۔ ج ۳ سورۂ انفال۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ کا رب آپ کی دعا قبول کرے گا اور لشکرِ اسلام کامیاب ہو کر رہے گا آپ ذرا بیٹھے کہ غنودگی طاری ہو گئی، اور تھوڑی ہی دیر بعد، آپ بیدار ہوئے، آپ کے چہرے پر، خوشی نمایاں تھی، زبان پر یہ آیت جاری تھی۔

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ عنقریب یہ جماعت پسپا ہو جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کے بھاگ جائیں گے۔

(پ ۲۷، القمر، ۴۵)

آپ نے فرمایا، اے ابوبکر، نصرتِ اسلام کے لیے، حکمِ خدا جاری ہو چکا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام، فرشتوں کی فوج لے کر آیا ہی چاہتے ہیں۔

آغازِ جنگ

جنگ کا آغاز ہو چکا، اس طرح، کہ دشمن نے، سب سے پہلے عامر بن حضرمی کو بھیجا جو عمرو بن حضرمی کا بھائی تھا، اور جس کی ہلاکت، اس جنگ کا بڑا سبب تھی، عامر کے مقابلہ کے لیے سب سے پہلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام، حضرت مہجع ابن صالح رضی اللہ عنہ نکلے لیکن آپ عامر کے تیر سے شہید ہو گئے، گویا مسلمانوں میں پہلے شہید حضرت مہجع ہیں جو تیر سے شہید ہوئے، اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو عظیم مرتبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

یومئذٍ مہجع، سید الشہداء آج مہجع شہیدوں کے سردار ہیں۔

عامر بن حضرمی کو، بعد میں، حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

اتفاقیہ شہادت

حارث بن سراقہ رضی اللہ عنہ نے حوض کے کنارے پانی پی رہے تھے کہ اچانک

ایک تیر، آپ کے گلے میں آکر پیوست ہو گیا، اور آپ شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت کی خبر، جب ان کی والدہ کو پہونچی، تو آپ نے قسم کھائی، کہ میں اپنے بیٹے پر اس وقت تک نہ روؤں گی، جب تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے، اس کا صحیح حال نہ معلوم ہو، جب حضور علیہ السلام مدینہ پہونچے تو، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کرنے لگیں، میں نے سن لیا ہے کہ میرا بیٹا، اس دنیا سے چلا گیا ہے، میں آپ کی زبان مبارک سے سننا چاہتی ہوں تاکہ، اس کا غم مناؤں اور روؤں آپ نے فرمایا، وہ شہید ہوا، اور جنت میں یہاں سے زیادہ خوش، گھوم رہا ہے تو اب تو کس بات کا غم کرتی ہے، زبان مبارک سے، یہ خوشخبری سن کر، ماں یہ کہتی، واپس ہو گئی، اب میں، نہ غم کروں گی، اور نہ ہی روؤں گی، کہ میرا بیٹا، زندہ ہے، صرف میری آنکھوں سے اوجھل ہی تو ہے۔

پہلا مقتول

اسود بن عبد الاسد، قبیلہ مخزوم کا ایک نہایت بداطوار شخص تھا، یہ کہتا ہوا، آگے بڑھا کہ میں، اللہ سے عہد کرتا ہوں، کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں گا، یا اسے برباد کر دوں گا، یہ آگے بڑھا ہی تھا کہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا، اور اس زور سے تلوار ماری کہ اس کا پاؤں پنڈلی تک کٹ گیا، یہ گر پڑا، لیکن حوض تک گھسٹتا پہونچا اور اس میں گر پڑا، حضرت حمزہ نے اُسے حوض ہی کے اندر ختم کر ڈالا، محمد نے اس کو غزوۂ بدر میں، مشرکین کا پہلا مقتول لکھا ہے [1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳، ۳،

مژدۂ نصرت

حضور علیہ السلام عریش سے باہر تشریف لائے اور آپ نے، بآواز بلند غلاموں کو خوشخبری سنائی، کہ اللہ نے مجھ سے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اور تمہارے امداد کے لیے فرشتوں کی جماعت نازل ہو رہی ہے، ابھی نبی کریم علیہ السلام یہ فرما ہی رہے تھے، کہ ایک تیز ہوا کے ساتھ اللہ کے فرشتوں کا نزول ہوا، آپ نے، ارشاد فرمایا، اب اطمینان سے، بلا خوف وخطر غریب جم کر لڑو، آج جنت کے دروازے کھلے ہیں، جس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے۔

حضرت عمیر بن حمام انصاری نے، جو سنا، تو عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ کیا میں جنتی ہو جاؤں آپ نے فرمایا، تو جنتی ہے، عمیر اٹھے، اور کھجور کھانے لگے، پھر کچھ خیال آیا، تو کھجور پھینکتے ہوئے بولے، اگر میں اتنا زندہ رہوں کہ یہ کھجوریں کھالوں، تو یہ تو بہت لمبی زندگی ہے، تلوار اٹھائی میدان میں پہونچے، اور مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، خالد بن الاعلم نے آپ کو شہید کیا،

پھر عریش

حضور علیہ السلام عریش سے باہر تشریف لاتے، تو صحابہ عرض کرتے، یا رسول اللہ آپ عریش میں تشریف رکھیں، اور دعا کریں، کیونکہ صحابہ، آپ کو تکلیف پہونچنے کا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے، نبی کریم علیہ السلام، پھر عریش میں تشریف لے گئے، آپ کبھی میدان جنگ پر نظر ڈالتے اور کبھی، دعا میں مصروف ہو جاتے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں، تین مرتبہ، آپ کو دیکھنے عریش میں گیا ہر مرتبہ آپ کو حالت سجدہ میں "یا حی یا قیوم برحمتک استغیث"، پڑھتے ہوئے پایا۔

پہلا مقابلہ

ابتدائی جھڑپوں کے بعد، باقاعدہ جنگ، اس وقت شروع ہوئی، جب عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی اور بیٹے، شیبہ اور ولید کو لے کر میدان میں آیا، اور مقابلہ کا چیلنج کیا، لشکر اسلام سے حضرت عوف، حضرت معاذ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم، سامنے آگئے، عتبہ نے ان حضرات کا نام ونسب پوچھا، جب معلوم ہوا، کہ یہ انصاری ہیں، تو کہنے لگا تم نہ تو ہمارے مقابلے کے ہو اور نہ ہی، ہمیں تم سے کوئی غرض پھر چلایا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں، ہم سے لڑنے کے لیے، قریش میں سے ہمارے رشتہ داروں کو بھیجو، حضور علیہ السلام نے یہ سنا، تو عریش سے نکل کر، حضرت حمزہ، حضرت علی، اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا، کہ آگے بڑھو اور اس کو جواب دو، یہ تینوں حضرات میدان میں نکلے، تو چونکہ یہ خود پہنے تھے، اس لیے، عتبہ ان کو پہچان نہ سکا، اور ان سے بھی نام ونسب پوچھنے لگا، جب ان حضرات نے اپنا تعارف کرایا، تو بولا، کہ ہاں اب ہمارا جوڑ ہے، اور جونہی مقابلہ ہوا، تو حضرت حمزہ کی زد میں آکر عتبہ زمین پر تڑپ رہا تھا، حضرت علی کی ضرب نے ولید کو تڑپایا ہوا تھا، لیکن اب تک شیبہ حضرت عبیدہ کے قبضے میں نہ آیا تھا، اس نے، حضرت عبیدہ کو کافی زخمی کر دیا تھا، پنڈلی لوٹ کر، چور چور ہو گئی، نلی کی ہڈی سے گودا بہہ نکلا، اور آپ بیٹھ گئے جونہی حضرت علی کی نظر پڑی، شیبہ پر حملہ کیا اور اس کا بھی کام تمام کر دیا،

حضرت حمزہ اور حضرت علی، حضرت عبیدہ کو، اٹھا کر دربارِ رسالت میں لائے تو عرض کرنے لگے، یارسول اللہ، کیا میں شہادت سے محروم رہا، آپ نے فرمایا نہیں تم بلاشبہ شہید ہو۔

حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا انتقال بدر سے واپسی پر مقام صفرا میں

ہوا، یہیں دفن ہوئے اس وقت آپ کی عمر اسی برس کی تھی۔

کچھ مدت بعد، حضور علیہ السلام نے ایک سفر کے دوران، صحابہ کے ہمراہ مقام صفراء میں قیام فرمایا تو صحابہ نے، پوری وادی میں مشک وعنبر کی مہک محسوس کی، اور حضور علیہ السلام کو اپنا حال بتایا، تو آپ نے فرمایا یہاں، ایک شہید بدر، تمہارے بھائی، عبیدہ بن حارث دفن ہیں، یہ خوشبو انہی کی قبر سے نکل رہی ہے۔

دو فریق

تین تین، افراد پر مشتمل، حق وباطل کے، یہ پہلے دو فریق تھے جو، ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور حق پرستوں نے پہلے ہی وار میں حق کو غالب کر دکھایا، چونکہ یہ دو فریق حق وباطل کو ممتاز کرنے میں سبقت لے گئے، لہذا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تذکرہ بھی فرمایا اور دونوں کا انجام بھی واضح کر دیا، تاکہ قیامت تک آنے والے، جس فریق کا انجام، اپنے لیے پسند کریں، اس ہی کے پیروکار بن جائیں، ارشاد ہوتا ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۚ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۭ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ	یہ دو فریق ہیں، جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہیں، تو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، ان کے لیے جہنم کی آگ کے کپڑے تیار کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے سروں پر، کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا، جس سے گل جائے گا، جو کچھ، ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھال بھی، اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے، جب بھی وہ تکلیف کی وجہ

أُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ — سے نکلنا چاہیں گے انہیں، اسی میں ڈال دیا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝ — بے شک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا، ان لوگوں کو جو ایمان بھی لائے، اور عمل بھی نیک کرتے رہے جنتوں میں، جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں انہیں جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار، پہنائے جائیں گے، اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہو گی، (کیونکہ) پاکیزہ قول کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی تھی، اور انہیں، اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھایا گیا تھا، جو تعریف کیا گیا ہے۔

(پ ۱۷، الحج، ۱۹-۲۴)

ان آیات کا حکم اگرچہ عام ہے، کہ قیامت تک ہونے والے تمام کافروں کا یہی انجام ہوگا، اور تمام مومنین کاملین کو، اپنی انعامات سے نوازا جائے گا، جن کا ذکر آیات میں کیا گیا، لیکن یہ آیات انہی چھ کے، عمل، پر نازل ہوئیں، جو میدان بدر میں، حق و باطل کے لیے برسرِ پیکار تھے، گویا، عتبہ، شیبہ اور ولید، وہ بدنصیب اور بدترین، ہیں جو ہمیشہ باطل پرستوں اور کافروں کے سرغنہ کہلائیں گے، جب کہ حضرت حمزہ، حضرت علی حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم، دربار نبوت کے چمکتے تارے ہیں، جنہیں ہمیشہ اہل اسلام پر عظمت و فوقیت حاصل رہے گی، اور قیامت تک اہل حق کی عقیدت و محبت ان پر نچھاور ہوتی رہے گی۔

دشمن پر بجلی گری

عتبہ و شیبہ اور ولید، کیا ہلاک ہوئے کہ دشمن پر ایک ایسی بجلی گری، جس نے پورے لشکر کو، ہکا بکا سا کر دیا، مسلمانوں کو ذلیل و کمزور جاننے والے تکبر و جہالت کے لبادے میں لپٹے ہوئے، یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے، کہ پہلے ہی مقابلہ میں اُن کے اہم سردار، اس آسانی سے اور اتنی جلدی، تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے اور پھڑکنے لگیں گے، جو پہلے جنگ کی حمایت میں نہ تھے پیچھے، ہٹنے لگے، کسی نے کہا، "مکہ کے ان مشہور سرداروں نے کچھ بھی کرتب نہ دکھائے" کوئی بولا، "سب کا یہی حال ہونے والا ہے، بس اب بھاگ نکلو۔

حکیم بن حزام نے چاہا، کہ پھر، ابوجہل سے بات کرے، لیکن وہ بدنصیب تو، اب پہلے سے بھی زیادہ آگ بگولا تھا، ہر طرف بھاگتا، چلاتا، لوگوں کو جمع کر رہا تھا، بمشکل، لوگ اس کے گرد جمع ہوئے، تو اس نے تقریر کی۔

عتبہ، شیبہ، اور ولید کے قتل سے ہمیں خائف نہ ہونا چاہیئے، وہ مغرور تھے اور خود سر تھے، انہوں نے بغیر مشورہ جنگ میں جلد بازی کی، اور بچگانہ انداز پر لڑے، خدا کی قسم، ہم یہاں سے واپس نہ ہوں گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو ایک ایک کر کے قتل نہ کر ڈالیں، اور دیکھو، تم، انہیں زندہ گرفتار کر لو، تو اور بھی اچھا ہے، کہ ہم، پھر ان کو، ایسی موت ماریں گے، کہ ہمیشہ کے لیے عبرت بن جائیں گے اور، دنیا میں کسی کو اپنا مذہب بدلنے کی ہمت نہ ہو گی، پس اب تیاری کرو، اور یکدم دشمن پر حملہ آور ہو جاؤ، اور دیکھو، کوئی ایک بھی، نکل کر نہ بھاگنے پائے۔

کیا خوب تھے عزائم، بتوں کے پجاریوں، شیطان کے پیروکاروں کے، ان کے

مقابلہ پر، جن کو قدرت و قوت والے، رب وحدہٗ لاشریک نے، اپنی توحید اور اپنے محبوب کی رسالت کے جھنڈے، لہرانے کی عظیم ذمہ داری سونپی تھی، جس کو پورا کرنے کے لیے، یہ، اپنے سروں پر کفن باندھے، دیوانہ وار، اللہ پر بھروسہ کئے، رسول کا سہارا لیے، میدان میں موجود تھے، اس طرح، کہ نہ انہیں کسی سے خوف تھا، اور نہ کسی کا غم تھا، بس رسول، ان کا نگہبان اور خدا ان پر مہربان تھا۔

بے ترتیب جنگ

اب دشمن کی طرف سے، جنگ میں کوئی ترتیب، کسی اصول کی پابندی، نہ رہی، وہ جس طرح چاہتے اور جس طرف سے چاہتے، تلوار چلاتے، تیر برساتے، ہر طرف سے حملہ کی کوشش تھی، اللہ کے رسول، صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حالت ملاحظہ فرمائی، تو آپ اپنی مٹھی میں کچھ کنکریاں لیے، میدان میں رونق افروز ہوئے، اور آپ نے، شاہت الوجوہ، کا نعرہ بلند کرتے ہوئے، یہ کنکریاں، لشکرِ کفار پر برسا دیں، اور غلاموں سے فرمایا، بڑھو اور حملہ کئے جاؤ، کہ، اللہ تمہاری فتح کا وعدہ فرما چکا ہے اور اس کی نصرت اس وقت میدان میں تمہارے ساتھ ہے، یعنی اللہ کے فرشتے مدد کے لیے آچکے ہیں، (فرشتوں کی آمد، اور ان کی امداد کی تفصیل آپ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے)

اب جنگ پورے شباب پر آچکی ہے، اسلام کے دشمنوں کے لیے، آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اسلام کے سپاہیوں پر، خدا کی رحمتیں، برس رہی ہیں، کچھ جنت کی راہ پر ہیں، تو کچھ، جہنم کو ایندھن فراہم کر رہے ہیں۔

زبیر بمقابلہ عبید

عُبید بن سعید بن العاص، میدان میں، چلاتا پھر رہا تھا، کہ میں "ابو کرش" ہوں کون ہے جو میرے مقابلہ پر آئے، حضور علیہ السلام کے پھوپی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی، آگے، بڑھے تو، دیکھا کہ کمبخت کا پورا جسم لوہے میں چھپا ہوا ہے صرف دو آنکھیں نظر آرہی ہیں، آپ نے تاک کر، اس کی آنکھ ہی میں، اس زور سے برچھی ماری، کہ فوراً زمین پر آپڑا، اور مر گیا، جب آپ نے برچھی نکالنی چاہی تو وہ اندر پھنسی ہوئی تھی، آپ نے منہ پر پیر رکھ کر پوری طاقت سے، برچھی کو کھینچا، جس کی نوک ہڈی پر لگنے سے، مڑ گئی تھی (اللہ اکبر، کس قوت کے ساتھ، آپ نے حملہ کیا ہوگا، یقیناً اس میں کسی فرشتہ کی قوت شامل ہوگی)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی، اس برچھی کو تاریخی اہمیت حاصل ہوئی، غزوے کے بعد، اس کو حضور علیہ السلام نے حضرت زبیر سے لے لیا، اور اس کو ہمیشہ اپنے پاس حفاظت سے رکھا، پھر یہ، خلفاء راشدین کے پاس رہی، اور یہ حضرات اس برچھی کو نہایت متبرک سمجھتے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے، اُس کو، حضرت زبیر کے صاحبزادے، حضرت عبداللہ بن زبیر نے مانگ لیا ۷۳ھ میں بنوامیہ کے ظالم گورنر، حجاج بن یوسف نے، عبداللہ بن زبیر کو قتل کر دیا اور یہ برچھی، بنوامیہ کے پاس چلی گئی، لیکن انہوں نے، چونکہ اس کو کوئی اہمیت نہ دی لہذا پھر اس کی تاریخ محفوظ نہ رہی، اور پتہ نہ چل سکا، کہ وہ کیا ہوئی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ۳/۲۷۰۔

فرعون کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ جنگ پورے شباب پر تھی، میں میدان جنگ میں کھڑا تھا، اور میرے دونوں طرف دو نوجوان تھے، اچانک، ان میں سے ایک نے، مجھ سے پوچھا۔

پوچھا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں!

میں نے کہا! ہاں، لیکن تم اس کو کیوں، دیکھنا چاہتے ہو۔

نوجوان بولا! میں نے سنا ہے کہ اُس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو، مکہ میں بہت ستایا، بہت دکھ پہنچایا، پس میں نے قسم کھائی ہے، کہ جب بھی میں، اُس ملعون کو، دیکھوں گا، تو اُس سے ضرور، بھڑ جاؤں گا، چاہے وہ مارا جائے یا میں۔

عبدالرحمٰن بن عوف: ابھی میں اُسے کوئی جواب نہ دے پایا تھا، کہ دوسرے نوجوان نے بھی یہی سوال کر ڈالا، اور، اتنے ہی میں، ابوجہل، اپنے اونٹ پر اتراتا ہوا مجھے سامنے ہی نظر آیا، پس میں نے، دونوں کو بتایا، کہ وہ سامنے ابوجہل ہے، اتنا کہنا تھا، کہ وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف لپکے، اور میں نے دونوں کو ابوجہل سے بھڑتا ہوا دیکھا، اور لمحہ بھر میں ایک نے اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی اور دوسرے نے اُس پر مسلسل وار کر کے زمین پر گرا دیا

یہ دونوں نوجوان، معاذ و معوذ تھے، ان کے باپ کا نام "حارث"، ماں کا نام "عفراء" تھا ماں باپ دونوں ہی کی نسبت سے یہ مشہور تھے، کوئی کتاب ایسی نہیں، جس میں غزوۂ بدر کا ذکر موجود ہو، اور معاذ و معوذ کا تذکرہ اہتمام و خصوصیت کے ساتھ، نہ کیا گیا ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مورخین نے بالاتفاق، ان دو نوجوانوں کو ہی غزوۂ بدر کا ہیرو قرار

دیا ہے، اور حق بھی یہی ہے، کہ انہوں نے کارنامہ ہی ایسا عظیم انجام دیا، کہ، مکہ کا سب سے متکبر سردار، اس لشکر کا سالار، اور جنگ کرانے کا پوری طرح ذمہ دار، ابوجہل ہی تھا، لشکرِ اسلام کے بہادروں اور تجربہ کاروں نے ابھی اس پر حملہ کا خیال تک نہ کیا تھا، کہ ان نوجوانوں نے اس کا کام تمام بھی کر ڈالا۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ فرما لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(پ ۳، آلعمران، ۷۴)

عکرمہ، اپنے باپ کی حالت دیکھ کر دوڑا، اور اُس نے پیچھے سے حضرت معاذ پر حملہ کیا، جس سے ان کا بازو کٹ کر لٹک گیا، اب دونوں بھائی، کافروں سے، مقابلہ کر رہے تھے، حضرت معاذ نے بتایا، کہ لٹکے ہوئے بازو کی وجہ سے، جنگ کرنے میں مجھے بہت رکاوٹ ہو رہی تھی، لہٰذا میں نے، اپنا ہاتھ پیر کے نیچے، دبا کر، جسم سے علیحدہ کر دیا، اور ایک ہاتھ سے لڑتا رہا، یہاں تک کہ ہم دونوں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے، اور خوشخبری سنائی، تو آپ نے تین مرتبہ، اللہ الذی لا الٰہ الا ھو کا نعرہ بلند فرمایا۔

حضرت معوذ رضی اللہ عنہ، دوبارہ میدان جنگ میں آئے، اور لڑتے، لڑتے، جام شہادت نوش فرمایا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، خلیفہ سوم، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔

جنگ کا فیصلہ ہو چکا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی جائے، اور ابوجہل کی خبر لائے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، قتل گاہ میں تشریف لائے، تو دیکھا، کہ مغرور و متکبر، نہایت ذلیل و خوار خون میں لت پت سسک رہا ہے، آپ نے سینہ پر چڑھ کر، اس کی داڑھی، پکڑی اور فرمایا۔

تو ہی ہے، رسول خدا، اور ان کے غلاموں کا دشمن، آج تجھے کیا ہوا!

ملعون بولا، ہاں، ہاں، ایک جوان مرد کو اسی کی قوم نے مار ڈالا، بتاؤ، فتح کس کی ہوئی۔

ابن مسعود، فتح و کامرانی، اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے، اے بدنصیب! تو، تو فرعون سے بھی بدتر ہے، کہ جس نے، غرق ہوتے ہوئے، حق کا اعتراف تو کر لیا تھا، لیکن تو جو، نہایت ذلیل و خوار، پڑا، تڑپ رہا ہے، اب بھی، اپنی گمراہی و ضلالت پر ڈٹا ہوا ہے۔

ابو جہل، جاؤ، محمد بن عبد اللہ، (صلی اللہ علیہ وسلم)، سے کہدو کہ میں دنیا سے، اس حال میں رخصت ہو رہا ہوں، کہ ان سے بڑھ کر، میرے نزدیک کوئی برا نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے اس کا سر قلم کرنے کے لیے تلوار نکالی، لیکن میری تلوار کند ہو چکی تھی، پس میں نے اسی کی تلوار کھینچی، جس پر ابھی تک خون کا دھبہ بھی نہ تھا، اور گردن پہ مارنا ہی چاہتا تھا، کہ وہ پھر بولا۔

اے! ابن مسعود، میری گردن ذرا لمبی کاٹنا، تاکہ دشمن کے سامنے، میرا سر، دوسرے سروں میں اونچا نظر آئے۔

پس میں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا، اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں لے آیا، اور عرض کیا یا رسول اللہ، یہ رہا دشمن اللہ و رسول کا سر۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب ہوئے، اور آپ کے چہرے پر خدا کے فضل و احسان کے آثار نمایاں تھے، باختلاف روایات، آپ نے بطور شکرانہ دو رکعت ادا کیں، تکبیر فرمایا۔

کان ھذا فرعون ھذہ الامۃ۔ یہ اس امت کا فرعون تھا۔ [1]

---

[1] البدایہ والنہایہ۔ ج ۳

آپ سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ اس فرعون کو کس نے ہلاک کیا، آپ نے فرمایا، اللہ رحم کرے عفراء کے بیٹوں (معاذ و معوذ) پر جو، اس فرعونِ امت، اور سردار کفار کے قتل میں شریک ہوئے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ، اور کون اس قتل میں شریک ہوا، فرمایا، اللہ کے فرشتے اور عبد اللہ ابن مسعود بھی اس کے قتل میں شریک ہوئے۔ [1]

بلاشبہ، ابوجہل کی موت، خدا کے باغی متکبر کرنے والوں کے لیے ایک کھلی عبرت ہے، اگر وہ کسی بھی مرض یا بدترین حالت میں اپنی طبعی موت مرتا، تب بھی اس سے زیادہ ذلت و خواری کی موت نہ ہو سکتی تھی کہ حق و باطل کا پہلا ہی معرکہ تھا، اس باغی کو تکبر و غرور کے مظاہرے کا پہلا ہی موقع شیطان نے فراہم کیا تھا لیکن ابھی اس کی تلوار میان سے بھی باہر نہ آنے پائی تھی، کہ اس پر خدا کی تلوار برسی آناً فاناً، باطل پرست ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو گئے۔

پس اے حق پرستو! اب قیامت تک، جس کی رسی بھی ڈھیلی دیکھو اور اس کو ظلم و ستم سرکشی بغاوت، غرور و تکبر میں ڈوبا ہوا پاؤ، تو، ہرگز اس سے خوف زدہ نہ ہو، بلکہ اس کے مقابلہ کے لیے اپنے اندر، ایمان کی قوت و طاقت پیدا کرو، یقیناً تم ہی غالب ہو گے وعدۂ الٰہی ایسا ہی ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اور نہ ہمت ہارو، اور نہ غم کرو، اور تم ہی سربلند رہو گے اگر تم سچے، مؤمن ہو۔

(پ ۴، آل عمران، ۱۳۹)

اُمیہ کا قتل

امیہ بن خلف وہی مشہور کافر ہے، جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا تھا، اور

---

[1] ایضاً۔

مسلمان ہونے پر، آپ کو شدید تکالیف پہونچاتا تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ، زمانہ جاہلیت میں یہ میرا، اچھا دوست تھا، آج میدان جنگ میں اس نے مجھے دیکھا یہ بڑا، گھبرایا، ڈرا، اور سہما ہوا تھا، کیونکہ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ رہا تھا، یہ مجھے دیکھ کر پلٹ گیا، اور نہایت عاجزی سے، مجھ سے کہنے لگا، آج تم مجھے بچالو، میں تمہیں کبھی اس کا بدلہ دے دوں گا اس کا بیٹا بھی، ساتھ تھا، مجھے دونوں سے کچھ ہمدردی ہوگی، اور میں نے ان کو پناہ دینے کا وعدہ کرلیا، اور ساتھ لے کر کسی ایسی جگہ کے لیے چلا جہاں ان دونوں کو چھپایا جاسکے کہ اچانک ہمیں بلال نے دیکھ لیا، اور ایسے چلائے، کہ کئی مجاہد، تلواریں تانے، ہماری طرف دوڑے، میں نے چونکہ اس سے پناہ کا وعدہ کرلیا تھا، لہٰذا، ہر چند لوگوں سے کہا اس کو نہ مارو، یہ میری پناہ میں ہے، لیکن کسی نے ایک نہ سنی یہاں تک کہ وہ ان پر حملہ کرتے تھے، اور میں روک رہا تھا، پھر ایسا ہوا، کہ امیہ گر پڑا، اور میں اس کے اوپر لیٹ گیا، لیکن لوگ میرے ہاتھوں اور ٹانگوں کے بیچ سے، مجھے بچا، بچا کر، اس پر حملہ کرتے ہی رہے اور موقع پاکر حباب بن المنذر نے، اس کی ناک کاٹ ڈالی، اب وہ چیختے اور کہنے لگا، مجھے چھوڑ دو، جونہی میں اس کے اوپر سے ہٹا، تو حبیب بن یساف، اور ایک دوسری روایت کے مطابق، حضرت بلال نے، ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر ڈالا، ساتھ ہی یہ لوگ، امیہ کے بیٹے علی کو بھی مارتے رہے، یہاں تک کہ حضرت حباب بن منذر نے، اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں، وہ اس زور سے چیخا، کہ اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کو، اتنی زور سے چیختے نہ سنا تھا، اور مر گیا۔

فتح

لشکر قریش کے، تقریباً، تمام ہی سردار، سرغنہ اور بہادر ہلاک ہوچکے تھے

اب کسی میں مسلمانوں کو للکارنے کی ہمت نہ رہی، تو سب کے سب پیٹھ پھیر کر بھاگ نے لگے مسلمانوں کی فتح کا اعلان ہو گیا، حضور علیہ السلام کی اجازت سے مجاہدین نے، بچے کھچے، دشمنوں کو قیدی بنانا، اور لشکر کے مال پر قبضہ کرنا شروع کر دیا جو بھاگ سکے وہ بھاگ گئے باقی گرفتار کر کے، دربارِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیئے گئے، اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، حق کو غالب و ثابت کر دکھایا، ۔

شہداء

حق و باطل کے، اس پہلے، معرکے میں، صرف چودہ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرما کر، حیات ابدی، حاصل کی، ان خوش نصیبوں کے، اسمائے گرامی یہ ہیں ۔

(مہاجرین)	حضرت عبیدہ بن حارث ۔	حضرت عمیر بن ابی وقاص ۔
	حضرت عمیر ذو شمالین[1] ۔	حضرت عاقل بن ابی بکیر ۔
	حضرت مہجع بن صالح ۔	حضرت صفوان بن بیضاء
(انصار)	حضرت سعد بن خیثمہ ۔	حضرت مبشر بن عبد المنذر
	حضرت حارثہ بن سارقہ ۔	حضرت معوذ بن عفراء
	حضرت عمیر بن حمام ۔	حضرت رافع بن معلیٰ
	حضرت عوف بن عفراء ۔	حضرت یزید بن حارث

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ — اللہ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہ اللہ کا گروہ ہیں، اللہ ہی کا

(۱) دونوں ہاتھوں سے بیک وقت کام کرتے تھے اس لئے "ذو شمالین" مشہور تھے ۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؁ — گروہ کامیاب ہے۔

(پ ۲۸، المجادلہ، ۲۲)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ — اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہا کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔

(پ ۲، البقرہ، ۱۵۴)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ — اور ہرگز خیال نہ کرو، کہ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے، وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، (اور) رزق دیئے جاتے ہیں، خوش ہیں، ان (نعمتوں) سے جو انہیں اللہ نے، اپنے فضل سے عنایت فرمائی ہیں۔

(پ ۴، آل عمران، ۱۷۰)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حیاۃ الشہداء محققۃ و ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء والشہداء والعلماء والموذنین المحتسبین وحملۃ القرآن۔ — شہداء کا زندہ ہونا مسلمہ حقیقت ہے، اور زمین انبیاء کرام، شہیدوں علماء حق، ثواب کے لیے اذان دینے والے مؤذنوں اور قرآن کے حافظوں کے جسم نہیں کھاتی۔

(ماخوذ ضیاء القرآن)

اے اللہ! اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کے طفیل، شہداء بدر کے صدقے، ہمیں بھی حیات ابدی عطا فرما ۔ آمین بجاہ رحمۃ للعالمین ۔

"فتح کے بعد"

فتح وکامیابی کے بعد، نبی کریم علیہ السلام نے اپنے معمول کے مطابق، تین دن مزید قیام فرمایا، پہلے شہداء کرام کو دفن کیا گیا۔ پھر آپ نے کفار کی لاشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی کی اجازت نہیں دی آپ نے ہمیشہ میدان جنگ چھوڑنے سے پہلے ایک، ایک لاش کو دفن کرانے کا اہتمام فرمایا، لیکن بدر میں ستر کافر ہلاک ہوئے تھے، اس لیے، علیحدہ علیحدہ، سب کو دفن کرنا دشوار تھا، پس حضور علیہ السلام نے سب لاشوں کو ایک ہی گڑھے میں ڈال دینے کا حکم دیا صحابہ کرام نے سب لاشوں کو، گھسیٹ، گھسیٹ کر، گڑھے میں ڈالا، لیکن امیہ بن خلف کی لاش پھول چکی تھی، جس کو جگہ سے ہٹانا مشکل تھا، لہٰذا وہیں، اس کو مٹی سے دبا دیا گیا۔

اہل مدینہ کو خوش خبری

حضور علیہ السلام نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو، اسی دن مدینہ کے لیے روانہ فرمایا کہ جاکر اہل مدینہ کو فتح وکامرانی کا مژدہ سنائیں، یہ دونوں قاصد، گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے کرتے، مدینہ پہونچے، تو دونوں نے حسب ہدایت اپنے اپنے راستے، الگ الگ کر لیئے۔

فتح وکامرانی کی خبر کے ساتھ، ساتھ، یہ ہلاک ہونے والے کافر سرداروں، اور گرفتار ہونے والے مشہور لوگوں کے نام بھی بتاتے جاتے تھے، بچوں اور عورتوں کا

ہجوم ان کے ساتھ ہو گیا، اور پھر، مدینہ کی آبادی کا ایک ایک دروازہ، کھٹ کھٹا کر، یہ عظیم الشان خبر سنائی گئی، مسلمانوں کی تو خوشی کی انتہا نہ تھی۔ ہاں غزوے میں شریک نہ ہونے کا اب بے حد ملال ہو رہا تھا، کوئی کہتا، کاش، حضور علیہ السلام، ہمیں ہمیں جہاد کی اطلاع دے دیتے، کسی کی زبان پر تھا، کہ اللہ کے رسول حکم دیتے تو ہم سب ہی چلے جاتے، ان احساسات کے ساتھ، ساتھ ہر ایک خوش تھا، اور اب ایک ہی انتظار تھا، کہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نظروں سے دیکھ لیں، لیکن عبداللہ ابن ابی، اور اس کا گروہ، تمام منافقین خبر کو جھٹلا رہے تھے، اور کہتے تھے کہ جب سب لوگ واپس آئیں گے تب ہی، یہ صحیح صورت حال معلوم ہو گی، مسلمانوں کی کامیابی سے، ان کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے، افواہیں گڑھنے میں مصروف تھے۔

افسوسناک

جس وقت مدینہ کا بچہ بچہ، خوشی سے اچھل رہا تھا، اسی وقت صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نبی کریم علیہ السلام کی صاحبزادی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کرنے کے لیے جنت البقیع میں جمع تھی، حضرت زید ابن حارث کو پتہ چلا، تو وہیں پہونچ گئے، جنازہ رکھا دیکھا لیکن خوشی میں اتنے مدہوش تھے کہ، نہ دفن کا انتظار کیا اور نہ ہی اظہار افسوس کیا، بلکہ وہی اپنے انداز میں، پوری خبر سنادی اور تمام صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، خود، خبر سن کر ایسے خوش ہوئے کہ بیوی کی موت کا احساس تک نہ رہا، سب نے جلد ہی تدفین کی، اور مسجد نبوی شریف میں جمع ہو گئے تا کہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیوں کے استقبال کا پروگرام بنائیں اور ان کی واپسی کا انتظار کریں۔

واپسی

نبی کریم علیہ السلام نے بدر میں تین دن قیام فرما کر واپسی کا، اعلان فرمایا، غازیوں نے تمام مال غنیمت بحفاظت جمع کیا، قیدیوں کو ساتھ لیا، اور روانگی کی تیاری مکمل کر لی، بدر کو چھوڑنے سے پہلے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کا، ایک نظر جائزہ لیا اور اُس گڑھے پر ٹھہرے، جس میں کفار کو دفن کیا گیا تھا آپ نے، عتبہ و شیبہ، ابوجہل اور سرداران قریش کو پکار، پکار کر فرمایا:۔

یا اھل القلیب ھل وجدتم ماوعد ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقًا۔[1]	اے گڑھے والوں، کیا تم نے اس کو سچ پایا جو، تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا، جب کہ بے شک میں نے تو وہ سچ پایا، جو، مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمایا تھا۔

جب صحابہ کرام نے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، مردوں سے باتیں کرتے دیکھا تو انہیں حیرت ہوئی، پس، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ کیا آپ مُردوں کو اپنی باتیں سنا رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ما انتم باسمع لما اقول منھم، ولکنھم لا یستطیعون ان یجیبونی۔	جو کچھ میں اُن سے کہہ رہا ہوں، اس کو تم، اُن سے زیادہ نہیں سن رہے ہے، صرف فرق یہ ہے، کہ وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔

غرضیکہ، نبی کریم علیہ السلام اور مجاہدین اسلام نے تین دن بعد، تاریخ اسلام کے اُس

[1] البدایہ والنھایہ، ج ۳، س

عظیم مقام کو چھوڑا، جس کی پہاڑیاں، جس کے سنگریزے، آج اہل اسلام کی، شجاعت وبہادری صبر وتقویٰ، اور رسول کے عشق ومحبت کی گواہی دیتے ہیں، جہاں آج بھی اہل اسلام کی کامیابی پر نقاروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

تقسیم غنیمت

بدر سے نکل کر، آپ نے وادی صفراء میں قیام فرمایا، تمام مجاہدین کو حکم دیا، کہ جس کے پاس جو بھی مال غنیمت ہے وہ ایک جگہ جمع کردے، اس موقع پر بعض صحابہ میں اختلاف رائے ہوا، کیونکہ انہوں نے اب تک حضور علیہ السلام سے مال غنیمت کے متعلق، خدا کا کوئی واضح حکم نہ سنا تھا،

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے، اپنے چچازاد بھائی کو قتل کیا تھا، اور اس کی تلوار پر قبضہ کر لیا تھا، جو بہت ہی عمدہ تھی اور اس کا نام، "کتیفہ"، تھا، وہ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے، سب مال غنیمت جمع کرنے کا حکم دیا تو میں وہ تلوار لے کر حضور کے پاس حاضر ہوا، اور میں اس کو اپنے پاس رکھ لینا چاہتا تھا، لیکن آپ نے حکم دیا کہ اس کو بھی مال غنیمت میں جمع کردو، مجھے بہت ہی ناگوار معلوم ہوا، لیکن مجبور تھا، کہ آقا نے حکم دیا تو میں نے اس کو بھی سب سامان میں ڈال دیا۔

اسی موقع پر مال غنیمت سے متعلق، سورۂ انفال کی آیات نازل ہوئیں، اور حکم واضح ہوگیا پس سعد بن وقاص کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے سب سے پہلے مجھے بلایا اور فرمایا، جاؤ، اپنی تلوار، اٹھالو، پھر آپ نے ہر مجاہد کو، اس کا حصہ دیا۔

مال غنیمت میں، ان آٹھ حضرات کا، حصہ بھی، مجاہدین کے برابر ہی رکھا گیا،

---

۲ ایضاً۔

جو حضور علیہ السلام کی اجازت سے، کسی مجبوری، یا آپ کے کسی حکم تعمیل کی وجہ سے، جنگ میں عملی طور پر شریک نہ تھے، لیکن کسی نہ کسی طرح وہ جنگ میں شامل تھے، حضور علیہ السلام نے ان حضرات کو بھی، شرکاء بدر کی فہرست میں شامل کیا انہی میں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی شمار ہوتے ہیں، جن کو حضور علیہ السلام ہی نے، مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا، تاکہ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمار داری، اور خدمت کریں جو، اس وقت سخت بیمار تھیں اور جس دن مدینہ میں، فتح بدر کی خبر پہونچی اسی دن ان کو دفن کیا گیا۔

وادی صفراء ہی، میں حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اور آپ کو یہیں دفن کیا گیا، ان کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

استقبال

اہل مدینہ کی مسرت وشادمانی کا ایک دن تو، وہ تھا، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرماکر ہمیشہ کے لیے مدینہ میں داخل ہو رہے تھے اور یا آج کا دن تھا، جب کہ حضور علیہ السلام اپنے ہمراہ فاتح مجاہدین اور مغلوب قیدیوں کو لے کر، عَلَمِ اسلام بلند کئے ہوئے، ہمیشہ کے لیے، اسلام کے غلبہ کا اعلان کرتے ہوئے، حق وصداقت کی چمک کے ساتھ، سرزمین مدینہ پر رونق افروز ہونے والے تھے۔

یہ بائیس۲۲ رمضان المبارک، پیر، کی صبح تھی کہ اہل مدینہ کو حضور علیہ السلام کی واپسی کا پتہ چلا، مدینہ کے گلی کوچوں میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی، لوگ مدینہ سے باہر نکل کر، مقام روحاء تک پہونچ گئے اور بے چینی سے انتظار کرنے لگے، اور جونہی بدر سے آنے والے بدر کامل پر اُن کی نظر پڑی، تو خدا کی پاکی، تسبیح اور تکبیر کے نعرے بلند کر کے، انہوں نے اپنے اور کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا!

اس موقع پر، بعض لوگوں نے قیدیوں کو دیکھ کر، ذلت آمیز باتیں کہیں، تو حضور علیہ السلام

نے منع کرتے ہوئے فرمایا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے، ان کو ہمارے قبضہ میں دیا، لیکن یہ خیال رکھو کہ یہ اپنی قوم، قریش کے سردار اور معزز لوگ ہیں۔

بعض صحابہ نے، ایسی موقع پر، بدر نہ جانے کا عذر پیش کیا، بعض نے افسوس کا اظہار کیا، تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم تو یہ جانتے تھے کہ آپ ایک قافلۂ تجارت پر قبضہ کرنے جا رہے ہیں، ہمیں ہرگز یہ پتہ نہ تھا، کہ آپ دشمن کا مقابلہ کرنے جا رہے ہیں، اگر ہم یہ جانتے تو ہرگز پیچھے نہ رہتے، حضور علیہ السلام نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو۔

غرضیکہ، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے جاں نثاروں کی اس جماعت کو لے کر مدینہ منورہ واپس پہونچ گئے، جن کو ایک ہفتہ قبل، بغیر ساز و سامان کے، صرف ایک تجارتی قافلہ کے مقابلہ کے لیے لے کر نکلے تھے، اس وقت یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ دشمن سے سامنا ہوگا، اور اللہ کے فضل و کرم سے اتنا بڑا انقلاب برپا ہو جائے گا جو قیامت تک کے لیے اسلام کی حقانیت کا واضح ثبوت بنے گا، فتح و کامرانی کے وجوہ و اسباب تلاش کرنے والے صرف اور صرف، ایک حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے، کہ فیصلۂ الٰہی کی تکمیل کے لیے نہ اسباب کی ضرورت ہوتی ہے، نہ وسائل کی احتیاج، بلکہ:-

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔	اللہ غالب ہے، اپنے ہر کام پر، لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ (پ ۱۲، یوسف، ۲۱)
وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔	اور جس نے مددگار بنایا، اللہ کو، اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ کے گروہ سے ہیں) اور بلاشبہ، اللہ

کا گروہ ہی غالب رہنے والا ہے۔

(پ ۶، مائدہ ، ۵۹)

اسیرانِ بدر

میدانِ بدر میں، اسلام کی فتح کے بعد، جن کفار کو، گرفتار کیا گیا، ان کی تعداد ستّر تھی ان میں اکثر، سردار، اور معزز تھے، جیسے، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، جبار بن صخر، عباس بن عبد المطلب (حضور علیہ السلام کے چچا) عمرو بن ابی سفیان، مالک بن عبد اللہ، اسود بن عامر، وغیرہ۔

حضور علیہ السلام نے، تمام قیدیوں کو، صحابہ کرام کے سپرد کر دیا تھا، اور اُن سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا تھا، لہذا صحابہ کا یہ حال تھا، کہ اپنے ان دشمنوں کا ہر طرح خیال رکھتے ان کو کھانا کھلاتے، اور خود، کھجوروں پر گذارہ کر لیتے تھے، جن قیدیوں کے پاس، کپڑے نہ تھے، صحابہ نے، اپنے کپڑے ان کو پہنائے، حضور علیہ السلام کے چچا حضرت عباس، اسقدر دراز قد تھے، کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر نہ آسکا منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی، تقریبًا، ان کے برابر کا تھا، اس نے اپنا کرتا پہنایا (اسی احسان کے بدلے، حضور علیہ السلام نے، عبد اللہ بن ابی کے کفن کے لیے اپنا کرتا عنایت فرمایا تھا۔

قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھا، جو مکہ کا بہترین خطیب کہلاتا تھا، یہ بدنصیب بڑے، بڑے اجتماعات میں نبی کریم علیہ السلام کی برائیاں کرتا، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا، تو حضور علیہ السلام سے عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ، اگر اجازت ہو، تو میں سہیل کے دو نچلے دانت اکھیڑ دوں تاکہ وہ کبھی اچھا نہ بول سکے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میں اگرچہ نبی ہوں لیکن اگر کسی کے اعضاء بگاڑوں کا مُثلہ کروں گا) تو میں بھی اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

یہ تھا، ان قیدیوں، اور دشمنوں کے ساتھ، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا حسن سلوک جو حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے اور اسلام کو مٹانے کی دن رات کوششیں کرنے والے تھے، اسلامی جنگوں پر اعتراضات کرنے والوں سے کوئی پوچھے تو سہی، کہ کیا، اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب یا کسی ملکی قانون میں دشمن قیدیوں کے ساتھ ایسے نرم برتاؤ کی نظیر مل سکتی جواب نفی کے سوا، کچھ نہیں ہو سکتا،

دو قتل

قیدیوں میں سے دو کافروں کو حضور علیہ السلام نے، مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قتل کرا دیا تھا ایک نضیر بن حارث، اور دوسرا عتبہ بن معیط، یہ دونوں نہایت ہی خبیث، بدگو، اور بیہودہ تھے۔

نضیر، مکہ میں مسلمانوں کو بے حد ستاتا تھا، ہر وقت حضور علیہ السلام کی بدگوئی کرتا تھا، اس کا خاص موضوع طعنِ قرآن کریم تھا، یہ جب بھی قرآن کریم کی کوئی آیت سنتا، طرح طرح سے اس کا مذاق اڑایا، الحمد للہ، کہ آج خدا نے، اس کی رسی کو کھینچا اور یہ جکڑا ہوا، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر تھا، جونہی، حضور علیہ السلام کی نظر مبارک اس پر پڑی، اس کو، خود ہی محسوس ہوا کہ مجھے قتل ہی کیا جائے گا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے، اس کی رشتہ داری تھی، اس نے ان کو بلایا اور کہنے لگا،

اے مصعب!

مجھے یقین ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل کرا دیں گے، تم ان سے میری صرف اتنی سفارش کر دو، کہ وہ میرے ساتھ وہی معاملہ کریں، جو دوسروں

کے ساتھ ہو۔

مصعب، تجھ میں اور دوسروں میں فرق ہے ،حضور علیہ السلام ،مسلمانوں اور اسلام کی مخالفت میں تو دوسروں۔ سے بہت آگے ، آگے ، رہتا تھا، پس اگر، آج تیری سزا دوسروں سے علیحدہ، اور زیادہ سخت ،مقرر ہو تو، یہ زیادتی نہیں، بلکہ ظلم کا بدلہ اور انصاف ہو گا۔

نضر ، اے مصعب ، تم میرے رشتہ دار ہو، اگر تم قید ہو کر مکہ آتے تو میں قسم خدا کی تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ،

مصعب ،مسلمان کا رشتہ کافروں سے ، بالکل نہیں رہتا ، میرے تیرے سارے رشتہ اسی دن ختم ہو گئے تھے ، جس دن ، میں نے ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ جوڑا تھا ۔

ابھی، ان دونوں میں گفتگو جاری ہی تھی کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا "اس خبیث کا سر اڑا دو"، آپ لپکے اور نضر جہنم میں پہونچا۔

عتبہ بن معیط، یہی، وہ ملعون کافر تھا جس نے دو مرتبہ، مکہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچائی، آپ سجدے کی حالت میں تھے، کہ اس کمبخت نے آپ کے سر مبارک پر پیر رکھ کر دبا یا، دوسری مرتبہ بھی، سجدے ہی کی حالت میں آپ کی گردن پر، بکرے یا اونٹ کی اوجھڑی ڈالی، آج اللہ نے کرم فرمایا، اور ان تمام ظالموں کو ذلیل و خوار کر کے اپنے، محبوب علیہ السلام اور ان کے غلاموں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اور آپ نے اس مردود کو جہنم رسید کیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بعید نہ تھا کہ ان کو معاف فرما دیتے، آخر فتح مکہ کے موقع پر آپ نے بڑے بڑے دشمنوں کو معاف فرمایا، بلکہ دشمنوں کے

گھروں کو جائے پناہ قرار دے دیا، لیکن اس موقعہ پر یہی عمل مناسب تھا، جو آپ نے کیا، تاکہ ان صحابہ کی دلجوئی ہو، جن کے زخم تازہ تھے، اور ان ظالموں کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا، نیز، کافروں کو، مسلمانوں کی جرأت اور اپنی ذلت و خواری کا اچھی طرح احساس ہو جائے، علاوہ ازیں، یہود، منافقین اور قرب و جوار کے دیگر قبائل کو بھی احساس رہے کہ مسلمان ظلم سہتے بھی ہیں، اور ظلم کا بدلہ لینا بھی جانتے ہیں۔

قیدیوں کے متعلق مشورہ

کچھ جنگ کے اثرات کم ہوئے، تو حضور علیہ السلام نے صحابہ کو جمع فرما کر، قیدیوں کے متعلق مشورہ طلب کیا کہ، ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے، کیونکہ نبی کریم علیہ السلام ان لوگوں کی قید و بند کی مدت، بلاضرورت دراز کرنا پسند نہ فرماتے تھے، صحابہ نے مختلف مشورے دیئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مشورہ تھا، کہ، ان سب کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے، کیا عجب کہ یہ لوگ آئندہ اسلام قبول کر لیں، یا اہل مکہ کو، ہماری قوت و جمعیت کا حال بتائیں اور اس طرح وہ دوبارہ ہم پر حملہ کی ہمت نہ کریں، نیز فدیہ کی رقم سے مجموعی طور پر ہماری معاشی حالت بہتر ہو گی، اور ہم اسلام کی اشاعت و حفاظت کے مزید اسباب مہیا کر سکیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے، اور ہم میں سے ہر ایک کو حکم دیا جائے کہ وہ، اپنے رشتہ دار، یا جان پہچان والے کو قتل کرے، تاکہ ہمارا اپنا ایمان مضبوط ہو، اور یہ ثابت ہو، کہ، اللہ اور اس کے رسول کے باغیوں سے، اہل اسلام کا کوئی رشتہ و تعلق باقی نہیں رہتا، نیز ان کے قتل سے کفار مکہ، قبائل عرب یہود اور منافقین سب ہی کانپ اٹھیں گے اور انہیں ہماری ہمت و جرأت

کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا، اور آئندہ کبھی وہ ہماری طرف نظر اٹھانے کی بھی غلطی نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے رائے پیش کی، یا رسول اللہ، ان سب کو، کسی گھنی جھاڑی میں چھوڑ کر، آگ لگا دی جائے، تاکہ جہنم کے اس ایندھن کو بھڑکتا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اور خدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں جہنم سے بچالیا، نیز دنیا بھر کے ظالم اپنا انجام دیکھ کر عبرت حاصل کریں، (۱)

ان تجاویز میں، نرم ترین، تجویز چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تھی، لہٰذا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو پسند فرمایا، اور فیصلہ ہو گیا کہ "ہر قیدی چار ہزار درہم ادا کر کے، رہائی حاصل کر سکتا ہے لیکن جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں، ان سے یہ رقم وصول نہیں کی جائے گی، بلکہ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ، دس مسلمانوں کو لکھنا، پڑھنا سکھانا ہوگا تو بعض قیدیوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، معافی دیدی اور وہ بغیر فدیہ ادا کئے آزاد ہو گئے،

اس موقع پر بعض غیر محتاط، مورخین نے، لکھ مارا، کہ حضور علیہ السلام کا یہ فیصلہ مرضی الٰہی کے خلاف تھا، لہٰذا، اللہ نے آپ پر عتاب فرمایا، اور سورۂ انفال کی آیات نمبر ۶۷، ۶۸، ۶۹، نازل ہوئیں، یہ غلط فہمی، قرآن نافہمی یا کم علمی کے باعث ہوئی، انشاء اللہ اگلے صفحات پر، آپ اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں گے۔

چچا سے فدیہ

نبی کریم علیہ السلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی قیدیوں میں شامل تھے

۱؎ البدایہ والنہایہ، ج ۳۔

یہ لشکرِ قریش میں صرف قبائلی، اور خاندانی پابندیوں کے سبب شریک ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے ہمیشہ حضور علیہ السلام اور اہل اسلام کی حمایت کی، بلکہ بعض روایات کے مطابق یہ بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے، لیکن انہوں نے، مکہ میں اپنی پھیلی ہوئی تجارت اور جائیداد وغیرہ کی وجہ سے اپنے اسلام کو ظاہر نہ کیا تھا، بہرحال اب یہ لشکرِ قریش میں شریک تھے اور ان لوگوں میں سے ایک تھے، جن کے دورِ لشکر کے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا گیا تھا، اور اس مقصد کے لیے یہ اپنے ساتھ تقریباً آٹھ ہزار گرام سونا بھی لے کر آئے تھے، جب گرفتار ہوئے، تو ان سے سونا لے کر مالِ غنیمت میں شامل کر دیا گیا۔

نبی کریم علیہ السلام نے جب، فدیہ لے کر قیدیوں کی رہائی کا فیصلہ فرمایا، تو، حضرت عباس کو بلا کر فرمایا کہ چچا، آپ اپنا فدیہ بھی ادا کریں اور اپنے دو بھتیجوں، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا بھی، اور اپنے حلیف عتبہ بن حجدم کا تو آپ کو رہا کیا جا سکتا ہے

حضرت عباس نے کہا، کہ

مجھ سے جو سونا لیا گیا ہے، وہ فدیہ میں شمار کر لیا جائے۔

حضور علیہ السلام، وہ تو مالِ غنیمت ہے، فدیہ میں کیسے شمار ہو سکتا ہے۔

حضرت عباس، اگر آپ نے مجھ پر اتنا بوجھ ڈالا، تو مجھے، قریش کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے گا، اور میں بالکل بھکاری ہو جاؤں گا۔

حضور علیہ السلام، چچا، اس مال کا کیا ہوگا، جو آپ نے مکہ سے روانگی کے وقت، اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھوایا ہے۔

حضرت عباس، (حیرت سے) وہ مال تو رات کی تاریکی میں، میں نے اپنی بیوی کو دیا تھا، میرے سوا اس کا کسی کو پتہ نہ تھا، آپ کو کیسے معلوم ہوا!

حضور علیہ السلام: میرے رب نے مجھے بتایا، اور سب کچھ وہی مجھے بتاتا ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت عباس کو حضور علیہ السلام کے رسول برحق ہونے کا یقین ہو گیا

اور جو بھی شکوک وشبہات تھے وہ دور ہو گئے، آپ نے فدیہ کی رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا اور مشرف با سلام ہو گئے، لیکن حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق، مکہ ہی میں آپ کا رہنا طے پایا، حضور علیہ السلام نے آپ کو ہجرت سے منع فرمایا، لہٰذا آپ ایک عرصہ تک، اپنے اسلام کا اعلان نہ کر سکے، فتح مکہ کے دن آپ نے اعلان فرمایا،،

قرآن کریم میں سورہ انفال کی آیات نمبر ۷۰، ۷۱، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے متعلق ہیں، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اظہارِ اسلام کے بعد سے اللہ تعالیٰ نے مجھے فدیہ میں دیئے ہوئے اور مالِ غنیمت میں چھنے ہوئے، سونے سے کئی گنا زیادہ دولت عطا فرما دی، اور سب سے عظیم مرتبہ جو عطا فرمایا وہ یہ کہ مجھے، آبِ زمزم پلانے کی خدمت مل گئی، جو میرے نزدیک، سارے عرب کی دولت سے بڑھ کر ہے۔

داماد سے فدیہ

حضور علیہ السلام کے داماد، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر، ابوالعاص بن ربیع بھی گرفتار ہوئے تھے، حضور علیہ السلام نے، ان کو بھی فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے اپنی بیوی زینب سے کہلوا دیا کہ فدیہ کی رقم روانہ کرو، چند دن میں مکہ سے فدیہ کی رقم روانہ کرو چند دن میں مکہ سے فدیہ کی رقم آگئی، جس میں، حضرت زینب کا وہ ہار بھی تھا، جو شادی کے موقع پر ان کو، ان کی ماں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا، یہ ہار دیکھ کر حضور علیہ السلام کا دل بھر آیا، آپ نے صحابہ سے فرمایا، اگر تم لوگوں کو اعتراض نہ ہو، تو بیٹی کو، اس کی ماں کی نشانی واپس کر دوں، تمام صحابہ نے بخوشی، اجازت دی، حضور علیہ السلام نے، ابوالعاص کو آزاد کیا، اور فرمایا، یہ اپنا مال واپس لو، اور مکہ جا کر، زینب کو ہمارے پاس بھیج دو، آپ نے زید بن حارثہ کو ابوالعاص کے ہمراہ کیا اور کہا، یہ زینب کو لے کر آئیں گے،

ابوالعاص، مکہ کے قریب پہونچے، تو انہوں نے زید بن حارثہ کو ایک جگہ ٹھہرا دیا،

کہ مکہ میں ان کی جان کو خطرہ ہو سکتا تھا، اور خود مکہ پہنچ کر زینب سے کہا، کہ تم مدینہ جانے کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اپنے بھائی، کنانہ بن ربیعہ سے کہا، ان کو مکہ سے باہر فلاں مقام تک پہونچا دو، جہاں زید ان کا انتظار کر رہے ہیں کنانہ، کھلم کھلا، اونٹ پر بٹھا کر زینب کو مکہ سے باہر لے جا رہے تھے، مشرکین نے دیکھ لیا، تو دوڑے اور زینب کو روکنا چاہا، کنانہ نے مقابلہ شروع کر دیا، یہاں تک کہ حضرت زینب کو، ہبار نے اونٹ سے گرا دیا، کچھ دن بعد اسی اثر سے آپ کا حمل ضائع ہوا، اور حضور علیہ السلام نے ہبار کے لیے عام اعلان فرمایا کہ، اس کا خون ہر ایک کے لیے حلال کیا جاتا ہے، وہ جہاں اور جب ملے اس کو قتل کر دیا جائے۔

بہر کیف جب، معاملہ زیادہ بڑھا، تو ابوسفیان کو اطلاع ہوئی، ابوسفیان جب پہونچے تو کنانہ تیر برسا رہا تھا، ابوسفیان نے کہا، اے کنانہ اپنے تیر روک، اور میری بات سن کنانہ نے تیر روکے تو ابوسفیان نے علیحدگی میں اس کو سمجھایا، کہ مسلمانوں سے تازہ مار کھائے ہوئے، یہ لوگ کیسے برداشت کر سکتے ہیں، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی، ان کے قبضہ سے نکل جائے، جب کہ میں اس کو روکنا نہیں چاہتا، اس لیے تو میری بات مان اس وقت گھر چلا جا، اور رات کی تاریکی میں زینب کو لے کر نکل جانا، بات معقول تھی کنانہ کی سمجھ میں بھی آ گئی، لہٰذا، اس نے ایسا ہی کیا، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضرت زینب کو لے کر مدینہ آ گئے۔

چند دن بعد، ابوالعاص ایک قافلہ کے ساتھ اپنا مال تجارت لے کر شام سے واپس آ رہے تھے مسلمانوں کو جب قافلہ کا پتہ چلا، تو انہوں نے، اہل مکہ کی معاشی حالت کو تباہ کرنے کے پروگرام کے مطابق اس قافلہ کو لوٹ لیا، ابوالعاص کا مال بھی لوٹا گیا، وہ جان بچا کر، چھپتے چھپاتے، مدینہ آ گئے، اور حضرت زینب سے پناہ طلب کی، حضرت زینب نے ان کو پناہ دی، ابوالعاص نے زینب سے کہا، تم حضور علیہ السلام سے سفارش

کر دو، کہ میرا مال واپس مل جائے، میں مکہ جا کر سب کی امانتیں اور حصے واپس کروں گا اور پھر مسلمان ہو جاؤں گا، حضرت زینب نے سفارش کی، حضور علیہ السلام نے درخواست قبول کرتے ہوئے مال واپس کر دیا،

ابوالعاص مکہ واپس گئے، سب کا حساب صاف کیا، اور وہیں، اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے، مکہ سے ہجرت کر کے، مدینہ چلے آئے، اور حضرت زینب کے ساتھ رہنے لگے، رضی اللہ عنہما۔

مکہ ماتم کدہ

قریش کا لشکر جب مکہ سے نکلا تھا، تو بقیہ عورتوں، نوجوانوں، بچوں اور بوڑھوں، سب ہی نے، بڑی امیدوں، آرزوؤں سے، رخصت کیا تھا، ہر ایک کو یہ یقین تھا، بالکل ایسا ہی یقین جیسے، ہر صبح، سورج کے ساتھ دن نکلنے کا یقین ہوتا، کہ عرب کے یہ بہادر کامیاب وکامران لوٹیں گے، (العیاذ باللہ) اسلام کی روشنی ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گی، قافلہ بدر کی طرف سفر کر رہا تھا، اور مکہ کے ہر گھر میں جشن تھا، قافلہ کے استقبال کی تیاریوں کا جشن غرور وتکبر کے جھنڈے بلند کرنے کا، جشن، اس جشن کی گھما گھمی میں کبھی کسی کو شیطان نے اتنا تک سوچنے نہ دیا، کہ اگر شکست نہ سہی، تب بھی کسی کا تو گھر اجڑ سکتا ہے، آخر جنگ ہے، نہ جانے کون کام آجائے، ایک لمحہ کسی نے نہ سوچا، بس جشن تھا، کیوں نہ ہوتا کہ شیطان نے بڑا ہی پختہ یقین دلایا تھا:۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ	اور جب شیطان نے ان کے لیے، اُن کے
اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ	اعمال آراستہ کر دیئے اور یقین دلایا، کہ آج
لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ	اُن لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا،
وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ	اور میں تمہارا نگہبان ہوں (پ۱۰، انفال، ۴۸)

اسی فریب میں مبتلا ہو کر، لشکر گیا تھا اور، اسی مکر کے سہارے سارا مکہ، اپنے فاتح سرداروں کا انتظار کر رہا تھا، کاش انہیں، یہ پتہ چل جاتا، کہ جس مکار نے اُن کی، ہمت افزائی کی تھی، ان کی نگہبانی کا وعدہ کیا تھا، خود اس کا کیا حال ہوا،

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ	جب دونوں فوجیں، آمنے سامنے ہوئیں
عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ	تو وہ، اُلٹے پاؤں بھاگا، اور بولا، میں بری الذمہ
مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ	ہوں تم سے، میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں
اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ	دیکھ رہے، میں تو، اللہ سے ڈرتا ہوں
شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۠	اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

(پ ۱۰، انفال، ۴۸)

جونہی شیطانی فوج کے سامنے اہل حق کے، نورانی چہرے، نظر آئے، اور فرشتوں کی قطاریں کی قطاریں، اترتی، اس مکار نے دیکھیں، تو چیختا چلاتا بھاگا، اے قریش مکہ، اب میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، میں تم سے علیحدہ ہوتا ہوں، مجھے وہ چیزیں نظر آ رہی ہیں، جو تم نہیں دیکھ سکتے۔

اس شیطان لعین کا ہر کسی کے ساتھ یہی رویہ ہوتا ہے، حق کے خلاف، دین کے خلاف، نیکیوں کے خلاف، اکساتا ہے، اور پھر حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چل دیتا ہے، نہ ہی دنیا میں سہارا دے پاتا ہے، اور نہ ہی آخرت میں کام آ، پائے گا، اللہ اس کے مکر و فریب سے، مجھے اور ہر مسلمان کو محفوظ رکھے،

غرضیکہ، امید و یقین کے اس ماحول میں، جونہی، خبر ملی، کہ مکہ کے سورما، ایک، ایک کر کے قتل کر دیئے گئے اور بچے کھچے، قیدی بنا لیے گئے، تو ایسا محسوس ہوا، جیسے مکہ پر، ارد گرد کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اب گھر، گھر ماتم تھا، پورا، مکہ ماتم کدہ تھا، اب کوئی نہ تھا جو سہارا دے، فرعونی ڈینگیں مارے اب تو مسلمانوں کے خلاف بات کرتے ڈر

لگتا تھا۔

پورے شہر میں ایک، افراتفری کی کیفیت تھی، آخر کار، ابوسفیان نے کچھ سنبھالا لیا اور قوم جمع کر کے، بدر کے تمام حالات بیان کئے، اور پھر اپیل کی کہ اب ہم، رونا، ماتم کرنا، چھوڑ دیں اس سے، ہماری، رہی سہی ساکھ، کو نقصان پہونچے گا، دشمن مزید خوش ہوگا، دوسرے قبیلے، ہم پر ہنسیں گے، ابھی ہمارے پاس نوجوان ہیں، ہم اپنے مقتولین کا بدلہ، لیں گے، اور اپنے بزرگوں کی امیدوں کے مطابق، مسلمانوں کو تہس نہس کر کے دم لیں گے، ابوسفیان کی بے جان باتوں کے علاوہ ان بدنصیبوں کے پاس اب رکھا ہی کیا تھا، قوم نے اسی کو غنیمت جانا، اب گلی، کوچوں کی فضا تو کچھ معمول پر آئی، لیکن، گھر ماتم کدہ ہی بنے رہے، اور سچ تو یہ ہے، کہ دنیائے کفر قیامت تک اپنے مقتولین کو، روتی ہی رہے گی۔

نتائج واثرات

چونکہ، غزوۂ بدر، حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا، لہٰذا، تماشہ بین اقوام، بے چینی سے نتائج کو منتظر تھیں، اور اللہ کے فضل و کرم سے جو کچھ ہوا، بفرض محال، اگر، اس کے برعکس ہو جاتا، تو اسلام اور مسلمانوں کا جو حشر ہوتا، اسی کی طرف حضور علیہ السلام کی اُس دعا میں اشارہ موجود ہے، جو آپ نے، اپنے عریش میں جنگ کی رات، اور عین جنگ کے وقت کی تھی۔

اللھم انک ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد بعدھا فی الارض۔	اے اللہ، اگر اس چھوٹی سی جماعت کو آج تو نے ہلاک کر دیا تو، اس کے بعد زمین پر تیرا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔

پس اللہ نے فضل فرمایا، کہ حق غالب رہا، اہل اسلام کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی،

جس کے اثرات یوں تو، حق و باطل دونوں پر آج تک ہیں اور قیامت تک رہیں گے لیکن ۲ھ کے حالات میں جو انقلاب رونما ہوا، ذرا اس پر غور کیجئے۔

پندرہ سال تک مسلمان، کفار مکہ کے مظالم، سہتے سہتے، بزریچ ہو چکے تھے، ان کے حوصلے پست تھے۔ تابناک مستقبل کی کرن تک نظر نہ آتی تھی، مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد تو، اور بھی زیادہ، آزردہ دل تھے، معاشی حالت بھی نہایت خستہ تھی، اللہ نے میدان بدر کو ان ناتوانوں کے لیے، اپنی رحمت و برکت، اور دائمی عزت و عظمت کا گہوارہ بنا دیا کہ عدم وسائل اور کم تعداد کے باوجود فاتح بنے، یقین ہو گیا، کہ ہم ایسے کمزور نہیں جیسا خود کو سمجھتے ہیں ہمارے پاس تو، ایسا مضبوط سہارا ہے، جس کے بل، ہم ہر میدان میں کامیاب و کامران رہیں گے۔

جن ظالموں نے وطن کی زمین تک چھین لی، ان کو اپنی آنکھوں سے تڑپتا، پھڑکتا دیکھا، اپنے ہاتھوں سے، کھینچ کھینچ، گڑھے میں، ڈالا، تو دل ٹھنڈا ہوا، اور ہمت بڑھی کہ آئندہ ہم پر، کوئی ظلم کر کے بچ نہ سکے گا اب نہ کسی کو، ہم پر پتھر برسانے کی ہمت ہوگی، نہ کوئی، ہمارے راستے میں کانٹے بچھا سکے گا، اب ہم پورے اطمینان سے اپنا کام کریں گے۔

آج مکہ کے رؤساکو، اپنے سامنے بندھا دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا، کہ کل تک جو ہمیں باندھ باندھ کر مارتے تھے، آج اُس خدا نے، جس کے لیے ہم مار کھاتے تھے ان مارنے والوں کو ہمارے قدموں میں لا ڈالا، وہ ہماری آزمائش تھی، اور یہ اس کا ثمرہ، پھل ہے۔

مال غنیمت بھی حلال کر دیا تھا، فدیہ بھی جائز قرار دے دیا گیا، جن کے پاس کھانے تک کو نہ تھا ان کی مالی حالت خاصی بہتر ہو گئی، اب وہ اس قابل تھا کہ اس علیحٰدہ تدی سے اپنی، انفرادی اور اجتماعی معاشی حالت کو بہتر اور مستحکم بنا سکیں، اور ایسا ہی ہوا۔

سلاطین ذفت اور دولت مند اقوام مسلمانوں کو، خاندانِ قریش کی ایک باغی ٹولی تصور کرتے تھے، اور ان کو قابلِ توجہ ہی نہ جانتے تھے، لیکن اب انہیں احساس ہوا، کہ یہ ایک ایسی قوت ہے، جس کا مقابلہ، آسان کام نہیں، لہذا، اب سیاسی و مذہبی اعتبار سے، ان کو دنیا کی ایک قوم تسلیم کرنا پڑے گا، اور جو اس ابھرتی قوم سے دوستی و حمایت کو بھلائی جانتے تھے انہوں نے، دوستی و حمایت کا ہاتھ آگے بڑھایا، اور جو اہل اسلام کی دشمنی کو ہی، اپنے وجود اور اپنی بقا کے لیے ضروری سمجھے، وہ کھل کر سامنے آگئے۔

قریش و کفارِ مکہ کی تو معاشی و افرادی، ساری توانائی کا خاتمہ ہو گیا، اب نہ وہ تکبر و غرور کی باتیں تھیں نہ ہی ذلت آمیز لہجہ تھا، صرف جلی رسی کے بل تھے، جو پانچ سال تک تو باقی رہے پھر فتح مکہ کے بعد وہ بھی ہمیشہ کے لیے نکل گئے۔

غرضیکہ، غزوۂ بدر نے اسلام کی جڑوں کو ہمیشہ کے لیے مضبوط و مستحکم کر دیا، جب کہ کفر کے قلعوں کو اجاڑ کر رکھ دیا اور قیامت تک کے لیے ثابت کر دیا، کہ

"مسلمانوں کو، اسلام، اور مملکت اسلامیہ کے تحفظ، عزت و آبرو کی بقاء کے لیے، دشمن پر غالب آنے کے لیے، بنیادی طور پر حسن کردار، قوت ایمان، اللہ اور اس کے رسول پر مکمل توکل و اعتماد کی ضرورت ہے، کثرتِ تعداد ظاہری وسائل و اسباب کی حیثیت اہل اسلام کی نظروں میں عارضی ہوتی ہے"

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝	اور اللہ مدد کرتا ہے، اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے۔ یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بڑا سبق ہے، آنکھ والوں کے لیے۔ (پ ۳، آل عمران، ۱۳)

"متفرق واقعات"

غزوۂ بدر کے حالات بیان کرتے ہوئے، تسلسل باقی رکھنے کی غرض سے، گذشتہ صفحات میں ہم نے کچھ واقعات کو چھوڑا ہے، جن کا بعض، مقامات پر ہم اشارہ بھی کر چکے ہیں پس مضمون کو مکمل کرنے کے لیے، چیدہ، چیدہ واقعات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں (۱)

دو خواب

ہم عرض کر چکے ہیں کہ کفارِ قریش، بدر، روانگی پر متفق نہ تھے، جس کی مختلف وجوہات تھیں، منجملہ ان کے یہ خواب بھی تھے۔

(۱) ابھی، قافلہ ابوسفیان کی اطلاع مکہ میں پہونچی بھی نہ تھی، کہ، عاتکہ بنت عبدالمطلب، یعنی حضور علیہ السلام کی پھوپھی نے ایک خواب دیکھا، جس کے بیان کرتے ہوئے بھی وہ ڈرتی تھیں، لیکن، ایک دن انہوں نے اپنے بھائی عباس سے یہ کہتے ہوئے بیان کیا، کہ تم کسی کو نہ بتانا عباس نے وعدہ کیا تو عاتکہ نے کہا۔

میں نے ایک اونٹ سوار کو، پتھریلی زمین کی ندی میں کھڑا دیکھا، جو پکار رہا تھا کہ اے قریش! تم اپنی قتل گاہ میں پہونچ جاؤ، دوڑو، جلدی کرو، وہ شخص حرم میں آیا اور

---

(۱) یہ واقعات ہم، ان کتابوں سے نقل کر رہے ہیں، البدایہ، والنھایہ، روح البیان، مواہب اللدنیہ، معارج النبوت شواہد النبوت،

لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے، پھر وہ ابوقبیس کے پہاڑ پر چڑھ گیا اور پھر لوگوں کو بلانے لگا، جب لوگ جمع ہو گئے، تو اس نے پہاڑ سے، ایک بڑا پتھر نیچے، لڑکا دیا، جو مکہ کے تمام گھروں کو تباہ کرتا، بنو ہاشم کے گھر میں آ گیا، اور بنو ہاشم کے گھر والے محفوظ رہے۔

چونکہ خواب بہت اہم تھا، لہذا عباس اس کو چھپا نہ سکے انہوں نے، اپنے دوست ولید بن عتبہ کو سنایا ولید نے اپنے باپ کو سنایا اور اسی دن یہ سب بات، ابوجہل کو معلوم ہو گئی، دوسرے دن جب عباس نے، کعبہ کا طواف کر رہے تھے، تو ابوجہل نے ان کو بلایا اور بھری محفل میں، عاتکہ کے خواب کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا کہ اب تک تو تمہارے مرد ہی نبوت کا دعویٰ کر رہے تھے، اب تمہاری عورتیں بھی نبی بننا چاہتی ہیں۔

اس خواب کے دو دن بعد ہی، ابوسفیان کا قاصد مکہ پہونچا، اور اس نے، چیخ، چیخ کر سب کو جمع کیا، عتبہ، ولید، شیبہ، ابولہب، وغیرہ نے یقین کر لیا، کہ عاتکہ کا خواب سچ ہے، قریش کو ضرور کوئی سخت آفت آنے والی ہے، اور ابولہب تو اس قدر ڈرا، کہ سب کے اصرار کے باوجود وہ لشکر میں شریک نہ ہوا، اس نے، عاص بن ہشام کو اپنا نمائندہ مقرر کر کے، قریش کے ساتھ بھیجدیا۔

(۲) ابوسفیان کا قاصد ضمضم جب مکہ پہونچا، تو اسی رات اس نے خواب دیکھا، کہ میں اونٹ پر سوار، ایک خون بھری وادی میں جا رہا ہوں، میں اس خواب سے ڈر کر، اٹھ کھڑا ہوا، اور جب صبح میں نے لوگوں کے سامنے یہ خواب بیان کیا، تو انہوں نے اس کو عاتکہ کے خواب کی تصدیق قرار دیا، اور بہتوں نے یہی کہا، کہ قریش پر کوئی بڑی آفت آنے والی ہے، لیکن صرف ابوجہل ہی تھا، جو نہ کچھ سنتا تھا، نہ ہی سوچتا تھا اس پر صرف مسلمانوں کی دشمنی سوار تھی، وہ ان سے جنگ کرنا چاہتا تھا، اور اس کو بہت ہی معمولی کام سمجھتا تھا۔

اُمیہ پر خوف

اُمیہ بن خلف، لشکرِ قریش میں شامل تو ہوا، اور مارا بھی گیا، لیکن بہت مجبور ہوکر ڈرتا، اور اپنی موت کا یقین کرتا ہوا آیا تھا، کیونکہ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب عمرہ کرنے مکہ آئے، اور امیہ کے گھر ٹھہرے تھے، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، تو اس وقت انہوں نے امیہ کو بتایا تھا، کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے سنا ہے، کہ امیہ کو میرے صحابہ قتل کریں گے۔

اس بات پر امیہ کو اتنا یقین تھا، کہ جب قریش نے بدر جانے کا فیصلہ کر لیا، تو وہ چھپا چھپا پھرتا تھا آخر ایک دن، ابوجہل اور عقبہ بن معیط اس کے گھر پہونچ گئے اس کو بہت شرم دلائی اور کہا کہ اب تو عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ کر زندگی پوری کر، امیہ مجبور ہوگیا، اور ڈرتا ہوا اپنے گھر سے نکلا۔

عداس کی نصیحت

عداس، عتبہ و شیبہ کا، نصرانی غلام تھا، اور یہ اُس وقت مسلمان ہو چکے تھے جب حضور علیہ السلام نے طائف سے واپسی میں، انگوروں کے ایک باغ میں پناہ لی تھی، جو عتبہ و شیبہ کا تھا، اور جب ان دونوں نے حضور علیہ السلام کو تھکا ہارا، زخموں میں چور، دیکھا تو، آپ کو عداس کے ہاتھ، انگوروں کا خوشہ بھیجا تھا جب عداس نے آپ کی زیارت کی، تو خدا نے توفیق دی اور مشرف باسلام ہو گئے، لیکن، چونکہ عتبہ و شیبہ طبعًا شریف تھے لہذا انہوں نے، یہ جانتے ہوئے بھی، کہ عداس مسلمان ہو گئے ہیں ان کو کبھی کچھ نہ کہا۔

آج جب عتبہ و شیبہ، بدر جانے کے لیے تیار ہونے لگے، تو عداس سے بولے

کہ ہم، محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے جا رہے ہیں، عداس نے کہا، آپ دونوں میرے اچھے، اور شریف مالک ہیں، آپ کی کوئی تکلیف میرے لیے بڑی مصیبت ہو گی اس لیے میں آپ سے عرض کرتا ہوں، کعبہ کے رب کا واسطہ، آپ بدر نہ جائیں، کیونکہ میں جانتا ہوں، کہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے سچے نبی ہیں، آپ ان سے دشمنی میں اتنے آگے نہ بڑھیں، کہ وہ اپنے غلاموں کو تلوار کھینچنے کا حکم دیں اور اگر ایسا ہوا، تو آپ کا مقابلہ کسی عام عرب سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول سے ہو گا، میں جانتا ہوں، آپ کو کوئی عام عرب شکست نہیں دے سکتا، لیکن اللہ کے نبی سے کوئی بہادر مقابلہ نہیں کر پاتا، عداس رونے لگے میں جو کچھ کہتا ہوں آپ کے بھلے کے لیے کہتا ہوں۔

عتبہ وشیبہ نے اس وقت تو، عداس کی باتوں کو، کوئی اہمیت نہ دی، لیکن جب انہوں نے میدان بدر میں جنگ کے بادل اٹھتے دیکھے، تو کئی مرتبہ عداس کی نصیحت یاد کر کے، مکہ واپس ہونے کا ارادہ کیا، لیکن ہر مرتبہ کسی نہ کسی طرح، ابوجہل کو ان کے ارادے کا پتہ چل جاتا، اور وہ غیرت رجمیت دلا کر، رُکنے پر مجبور کر دیتا۔

فال کی خبر

مشرکین میں، ہر کام کرنے سے پہلے فال نکالنے کا رواج بہت پرانا ہے، اور اب تک ہے، مشرکین مکہ بھی کوئی کام کرنے سے پہلے فال ضرور نکالتے تھے۔ اور اسی کی خبر پر عمل کیا کرتے تھے، بڑے بڑے اہم کام صرف اس لیے نہ کرتے تھے کہ فال سے اُن کے کرنے کی اجازت نہ ملتی تھی، اتنے بڑے قافلہ کی روانگی کے لیے بھلا فال کیسے نہ نکالی جاتی، پس جمع ہوئے، خوب چڑھاوے لے کر، اپنے گرو، ہبلؔ کے گرد، اور اپنے طریقوں کے مطابق فال کے تیر نکالنے شروع کیے، اور آخر

کار فال۔ نے یا بُت نے واضح اعلان کر دیا، کہ مکہ سے باہر مت نکلو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب کسی کی شامت آ ہی جائے، تو اس کی عقل و نظر سب پر، پردے پڑ جاتے ہیں، وہی ہوا، کہ ابوجہل نہ مانا، آج اپنے خدا کی بھی نہیں مان رہا کیسے مانتا خدائے حقیقی کا فیصلہ تو کچھ اور ہی ہو چکا تھا اور پھر کئی بار فال نکالی گئی اور ہر مرتبہ، بربادی کی خبر ملی، لیکن جب مقدر ہی پھوٹ چکا ہو تو فال کیا کرے۔

اصول کی پابندی

جب دو لشکر آمنے سامنے آجاتے، اور جنگ شروع ہو جاتی ہے، تو کسی کو کسی اصول یا ضابطہ کا خیال تک نہیں رہتا، ہر ایک ایسی تدبیریں لگا ہوتا ہے، کہ دشمن پر غلبہ حاصل ہو جائے، یہ صرف، دنیا کو حکمت و دانائی کا پیغام دینے والے، آقا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جنہوں نے میدان جنگ میں بھی اصولوں اور ضابطوں کی پابندی کا عملی نمونہ پیش کیا، مندرجہ ذیل واقعہ سے اندازہ لگایئے، یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ یہ غزوے میں آپ کو اس قسم کے متعدد واقعات ملیں گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان، اور حضرت ابو حُسیل رضی اللہ عنہما، دونوں صحابی، کہیں سے آرہے تھے، بدر کے ایسے راستہ سے گذرے کہ، دشمن نے ان کو دیکھا اور پکڑ لیا اور کہا، تم دونوں، اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے جا رہے ہو ہم ہرگز نہیں جانے دیں گے، بلکہ تمہیں قتل کر دیں گے، ان دونوں نے یقین دلایا کہ ہمارا جنگ سے کوئی واسطہ نہیں، ہم تو اپنے کسی کام سے نکلے تھے، اور واپس مدینہ جا رہے ہیں، بہت یقین دہانی کی، تو جان چھوٹی، لشکرِ اسلام میں پہونچ کر، حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور سارا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔

ہم ہر حال میں عہد کی پابندی کرتے ہیں، تم نے وعدہ کر لیا ہے، کہ

جنگ میں حصہ نہ لو گے لہذا اب تم اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیے یہاں ٹھہرنا بھی، بد عہدی میں شمار ہو گیا۔

قابل غور ہے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ، ایسے وقت، جب کہ دشمن تعداد وسامان کے اعتبار سے کئی گنا، بڑا ہے، یہاں آدمیوں کی کمی ہے، لیکن پابندی عہد کے اصول کی بناء پر اپنے دو جانثاروں کو شریک جنگ نہ ہونے دیا۔

چند معجزے

جنگ کے دوران، نبی کریم علیہ السلام کے چند معجزے بھی ظاہر ہوئے، تاکہ، بعض حالات کی وجہ سے، کوئی، آپ کو اپنا، جیسا، عام انسان نہ سمجھ بیٹھے، یا، آپ کے کمال نبوت میں کمی کی غلط فہمی اور قوتِ نبوت میں، کسی قسم کی کمزوری کا خیال نہ ہونے پائے، یہاں ہم، چند معجزات کا تذکرہ، اسی مقصد سے کر رہے ہیں، کہ اگر، ہمارے قارئین کے ذہن میں بھی، خدانخواستہ کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہو، تو وہ دور ہو جائے، اور ان واقعات کے مطالعہ کے بعد، ایمان مزید مستحکم اور مکمل ہو، کہ اہل ایمان کے لیے نبی کے معجزات کا فائدہ ہی یہ ہے، کہ ان سے، ایمان کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔

(۱) یہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے جنگ کی شب، میدانِ جنگ میں آکر، صحابہ کو یہ بتا دیا تھا، کہ کون کافر، کہاں مرے گا، اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد معتبر کتابوں میں موجود ہے، کہ "خدا کی قسم، اللہ نے اپنے رسول کو حق پر بھیجا ہے، آپ نے جس کافر کے، ہلاک ہونی کی، جو جگہ بتائی تھی، وہ بالکل اسی جگہ پڑا تھا، نہ لکیر سے ادھر نہ ذرا بھی اُدھر،

پس آپ کا صحیح صحیح، یہ بتا دینا، پوری جنگ کے متعلق، یہ یقین کرنے کے لیے کافی ہو گیا، کہ آپ کو جنگ کا تمام حال معلوم تھا، مدینہ سے نکلے تو قافلہ تجارت کے

تعاقب کے لیے تھے، لیکن یہ معلوم تھا کہ مقابلہ، بڑے دشمن سے ہو گا، دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے، غلاموں کی ہمت افزائی تو کر رہے تھے، لیکن یہ پتہ تھا، کہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ ولید، امیہ بن خلف وغیرہ کا جہنم انتظار کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب مرنے والوں کا پتہ تھا، تو یہ بھی معلوم تھا، کہ کون، کس کو مارے گا، عریش میں آہ وزاری کے ساتھ دعا تو ہو رہی تھی لیکن پتہ ہو چکا تھا، کہ کامیابی و کامرانی، اہل ایمان ہی کی ہو گی اور حق غالب ہو کر رہے گا بس اتنی سی بات تھی، کہ خدا نے، نظام قدرت کو پورا کرنے کے لیے، بعض مواقع پر اپنے نبی کی توجہ کو ہٹایا اور نبی نے، مرضی الٰہی کی تکمیل کے لیے، خدا ہی کے حکم کے مطابق، بعض باتوں کو غلاموں پر ظاہر نہ فرمایا،

(۲) حضرت رفاعہ بن رافع، اپنے بھائی، خلاد بن رافع، کے ساتھ، لشکرِ اسلام میں شریک تھے راستہ میں، ان کا اونٹ بیمار ہو گیا، انہوں نے منت مانی کہ ہمارا اونٹ ٹھیک ہو جائے اور اللہ ہمیں فتح عطا فرمائے تو ہم مدینہ واپس ہو کر، اس اونٹ کو ذبح کر کے صدقہ کر دیں گے، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب تشریف لائے، آپ نے اونٹ کو بیمار دیکھا، تو، پانی منگوا کر وضو فرمایا اور بچے ہوئے پانی میں کلی کی پھر ہمیں حکم دیا، کہ اونٹ کا منہ کھولو، پس ہم نے، منہ کھولا، تو آپ نے وہ پانی اس کے منہ میں ڈالا، اور کچھ پانی کے چھینٹے، اونٹ کے سر، گردن اور کوہان پر مارے، وہ اونٹ ہمیں اٹھا کر، خوب دوڑنے لگا، جیسے کبھی بیمار نہ ہوا تھا، پس اللہ نے ہمیں فتح دی اور ہم مدینہ واپس آئے، تو، ہم نے اپنی نذر کے مطابق اونٹ کو ذبح کر دیا۔

(۳) عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ، لڑ رہے تھے، کہ کسی کافر کی زرہ پر، لگ کر ان کی تلوار ٹوٹ گئی، بڑے پریشان ہوئے، حضور علیہ السلام نے ان کو دیکھا، تو ایک لکڑی اٹھا کر ان کو دی، اور فرمایا، جاؤ، لڑو، جونہی یہ لکڑی ان کے ہاتھ میں آئی، ایک بہترین،

بنتر تلوار، بن گئی، خوب لڑے، اسی سے، آپ نے معاویہ بن قیس کو قتل کیا، یہی تلوار ہمیشہ آپ کے پاس رہی اور متعدد غزوات اور جنگوں میں کام آئی، آپ نے اس کا نام، عون، یعنی مدد و نصرت رکھا تھا، غالباً آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(۴) حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر، امیہ بن خلف نے حملہ کیا، جس کی تلوار سے، آپ کا ہاتھ کندھے سے علیحدہ ہو گیا، اسی حال میں آپ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اپنے دست مبارک سے ہاتھ کو ایسا جوڑا، کہ زخم کا نشان تک نظر نہ آتا تھا اور نہ ہی، کبھی اس بازو میں میں کوئی تکلیف ہوئی۔

(۵) حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ، مصروف جنگ تھے، نہ جانے، کیا چیز آپ کی آنکھ میں لگی، جس سے آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل کر لٹک گیا، سخت تکلیف ہوئی، ساتھیوں نے، اس کو کاٹ دینے کا ارادہ کیا، لیکن پھر کسی نے مشورہ دیا، کہ حضور علیہ السلام کی اجازت کے بغیر کوئی کام مناسب نہیں، لہٰذا قتادہ آپ کے دربار میں حاضر کئے گئے، آپ نے اپنے دست مبارک سے ڈھیلے کو اس کی جگہ رکھا، اب نہ تو درد تھا، نہ کوئی یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ اس آنکھ میں کچھ ہوا تھا۔

بدر کے بعد

کفارِ مکہ پر، بدر کی شکست کا اس قدر صدمہ تھا، کہ اکثر اپنی مجلسوں میں میدان جنگ کی باتیں کرتے رہتے تھے، یا جن لوگوں کے اعزا واقربا، گرفتار ہو گئے تھے، ان کے متعلق حسرت و یاس کے تذکرے کرتے تھے۔

(۱) عمیر بن وہب کا لڑکا وہب، بھی، مدینہ میں قیدی تھا، ایک دن صفوان اور عمیر حرم کعبہ میں بیٹھے اپنے ہلاک شدہ عزیزوں کا ذکر کر رہے تھے۔

صفوان بولا! اے عمیر! میرے باپ دادا اور دوسرے عزیز، جس بیدردی سے

قتل ہوئے، ان کا خیال کر کے بس تڑپ جاتا ہوں اور اب زندگی میں کوئی مزہ نہیں رہا۔

عمیر : بس یہی حال میرا ہے، سب سے زیادہ، مجھے، دکھ اس کا ہے کہ میرا لڑکا مدینہ میں قید ہے نہ جانے اس کا کیا حال ہوگا، اور کیا انجام، میرا تو دل چاہتا ہے کہ مدینہ جاؤں، اور کسی طرح محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر اتار لاؤں (نعوذ باللہ) اور یہ کام آسان ہے، کیونکہ سنا ہے، وہ مدینہ کے گلی کوچوں میں تنہا گھومتے رہتے ہیں،

صفوان : پھر کیا ہے، آگے بڑھو، سب مکہ والوں کا دل ٹھنڈا کر دو گے، بڑی عزت پاؤ گے

عمیر : حسرت یہ مجبوری ہے، کہ میرے پیچھے، بچوں کی نگرانی، انکے کھانے پینے کا انتظام کون کرے گا، پھر قرضہ بھی بہت ہے وہ کیسے ادا ہوگا۔

صفوان : یہ سب فکر نہ کرو، رب کعبہ کی قسم میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے بچوں کا پوری طرح میں ذمہ دار رہوں گا، اور تمہارا سب قرضہ بھی میں ادا کروں گا، بلکہ، سفر کے لیے سواری کا بھی انتظام کرتا ہوں، بس اب انہیں کام میں دیر نہ کرو،

عمیر مکہ سے روانہ ہوا، مدینہ پہونچا، ایک دن تلوار لیے، مسجد نبوی شریف کے دروازے پر بیٹھا تھا کہ اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر پڑی، آپ نے، حیرت زدہ ہو کر، ساتھیوں سے فرمایا، اوہ یہ تو عمیر بن وہب ہے، بدر میں لشکر کفار میں اس کو میں نے چیختے چلاتے دیکھا تھا، اپنے ساتھیوں کو لڑنے پر ابھار رہا تھا، اور ہمارے لیے بہت بیہودہ گوئی کر رہا تھا، اب یہ یہاں کیسے، بس آپ آگے بڑھے اور فوراً گردن دبا کر حضور علیہ السلام کے دربار میں لے کر حاضر ہو گئے۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ عمیر، مدینہ میں پھر رہا ہے، میں نے اس کو مسجد کے دروازے سے پکڑا ہے ... کیوں آیا ہے۔

حضور علیہ السلام: عمیر پر ایک نظر ڈالتے ہوئے، عمر! اس کو چھوڑ دو، عمیر یہاں آؤ، قریب آؤ، بیٹھو۔ عمیر، حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت عمر، ساتھیوں سے، ذرا قریب ہو جاؤ، خیال رکھو، یہ خبیث، حملہ نہ کر دے،

حضور علیہ السلام: عمیر تم یہاں کس ارادے سے آئے ہو۔

عمیر: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے بیٹے وہب کو چھڑانے آیا ہوں،

حضور علیہ السلام: یہ تلوار کیوں تانی ہوئی تھی۔

عمیر: یہ تلوار، یہ تو ویسے ہی ساتھ لے آیا تھا، ہماری تلواروں نے بدر میں کیا کمال کیا جو اب یہ کسی کام آئے گی۔

حضور علیہ السلام: عمیر! جو ارادہ ہے، سچ بتاؤ، یا میں بتاؤں!

عمیر: گھبرا جاتا ہے، نہیں، نہیں، کوئی ارادہ نہیں، صرف اپنے بیٹے کو لینے آیا ہوں۔

حضور علیہ السلام: اچھا، تو یہ بتاؤ، کہ حرم کعبہ میں صفوان کی اور تمہاری کیا گفتگو ہوئی، اور صفوان نے تم سے کیا وعدہ کیا ہے۔

عمیر: ہکا، بکا، لیکن، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری اس گفتگو کو تو، ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا۔

حضور علیہ السلام: تم دونوں کے علاوہ تیسرا جاننے والا، اور بھی ہے۔

عمیر: اور کون، وہاں تو کوئی نہیں تھا۔

حضور علیہ السلام: وہی رب کعبہ، جس کی تم قسم کھاتے ہو، اور جس نے مجھے، رسول بنا کر بھیجا ہے، وہ صرف دو، آدمیوں کی پوشیدہ گفتگو ہی نہیں جانتا، بلکہ ہر ایک دل کا حال بھی جانتا ہے۔

عمیر: یہ ٹھیک ہے، لیکن آپ کو کیسے پتہ چلا۔

حضور علیہ السلام: میرا رب، مجھے سب کچھ بتاتا ہے، میں اس کا رسول ہوں نا،
عمیر، کانپنے لگتا ہے، اور کہتا ہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

یا رسول اللہ، آج مجھے یقین ہو گیا، آپ، بلاشبہ، اللہ کے رسول ہیں، پس میرا اسلام قبول کیجئے اور اپنے غلاموں میں شامل کر لیجئے۔

صحابہ کرام، نعرہ بلند کرتے، اور عمیر کو گلے لگا لیتے ہیں۔

حضرت عمر: عمیر! اب سے چند لمحوں پہلے، تم میری نظروں میں خنزیر سے بھی بدتر تھے، لیکن اب تم میرے قابلِ احترام بھائی ہو، اب میرا سب کچھ تمہارے لیے ہے۔

حضور علیہ السلام: صحابہ سے، اپنے بھائی کو لے جاؤ، اس کا ہر طرح خیال رکھو، اس کے لڑکے کو آزاد کر دو اور اس کو قرآن و شریعت کی تعلیم دو۔

وہب بھی آزاد ہو کر، مشرف باسلام ہوا، کچھ عرصہ مدینہ میں ٹھہر کر، دونوں نے حضور علیہ السلام سے اجازت چاہی، مکہ چلے گئے، سب کا مقابلہ کرتے، اور علی الاعلان، اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہتے صفوان، دونوں کا یہ حال دیکھ کر جلتا تھا، اور تڑپتا رہتا، لیکن کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا عمیر بن وہب اور، وہب بن عمیر رضی اللہ عنہما کی تبلیغ سے مکہ میں مسلمانوں کا ایک گروہ تیار ہوا۔

(۲) حارث بن ابی ضرار، اپنے، بیٹے کا فدیہ ادا کرنے کے لیے، کچھ کنیزیں، اور اونٹ لے کر مکہ سے چلا، مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے، کنیزوں اور اونٹوں کو ایک جنگل میں چھوڑا تاکہ پہلے، بغیر فدیہ کے بیٹے کو آزاد کرانے کی کوشش کرے اور اگر کام نہ بن سکا، تو ان کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دے پس حارث حضور علیہ السلام کے دربار حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا۔

حارث آپ کیسے آئے،

حارث : اپنے بیٹے کو آزاد کرانے آیا ہوں، لیکن فدیہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں۔

حضور علیہ السلام: اچھا، کیا تم ٹھیک کہتے ہو، کچھ نہیں ہے۔

حارث : جی، کچھ نہیں ہے، آپ اس کو بغیر، فدیہ کے آزاد کر دیں، تو احسان ہوگا۔

حضور علیہ السلام: تو پھر یہ بتاؤ، کہ مکہ سے جو کنیزیں اور اونٹ فدیہ ادا کرنے کے لیے لائے تھے، وہ کہاں ہیں، یا یہ بھی ہم ہی بتائیں۔

حارث : حیرت زدہ، خدا کی قسم، یہ بات نہ تو کوئی مکہ والا جانتا ہے، اور نہ ہی یہ مجھے کوئی، مدینہ کے راستہ پر، یہاں آتا نظر آیا، بس مجھے یقین ہو گیا، کہ بے شک آپ نبی برحق ہیں۔ لہذا

نصر بن حارث، انہی کا بیٹا تھا، جس کو حضور علیہ السلام پہلے ہی قتل کر چکے تھے جب ان کو بتایا گیا۔ تو عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اب مجھے اس کے قتل ہو جانے کا کوئی صدمہ نہیں، بے شک اس نے اپنے کیئے کی سزا پائی، اور خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے، آپ کا غلام بنایا۔

(۳) حضور علیہ السلام بھی بدر ہی میں تھے، کہ ایک عورت عضماء بنت مروان، نے آپ کے اور لشکر اسلام کے خلاف کچھ اشعار کہے، جن میں نہایت بیہودہ باتیں کہیں اور بہت مذاق اڑایا یہ ایک فاحشہ بیہودہ تھی اور حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کے خلاف، اکثر، گلی کوچوں میں بیہودہ باتیں کرتی رہتی تھی۔ یہ اشعار جو اس نے لشکر اسلام کے خلاف کہے تھے، حضرت عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے کہیں سن لیئے۔ آپ اگرچہ نابینا تھے۔ لیکن بے حد عاشق رسول تھے جب

اشعار سنے، تو آپ سے نہ رہا گیا، اور آپ نے قسم کھالی، کہ حبیب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی بدر سے واپس آئیں گے تو اس عورت کو میں ضرور قتل کروں گا۔

جس دن، حضور علیہ السلام اور آپ کے غلام فتح اسلام کا جھنڈا لہراتے، مدینہ میں داخل ہوئے اسی دن رات کو عمیر بن عدی، عصماء کے گھر پہونچے، اور نابینا ہونے کے باوجود آپ نے، اس پر ایسا حملہ کیا، کہ تلوار کی نوک اس کے بیچ سینے میں پیوست ہوگی آپ نے اتنے زور سے، اس کو، دبایا کہ تلوار سینہ چیرتی، پیچھے، پیٹھ سے نکل گئی اور یہودیہ اسی دم ختم ہوگئی۔

صبح، نماز فجر سے فارغ ہو کر، حضور علیہ السلام نے عمیر بن عدی کو قریب بلایا، اور فرمایا رات تم نے، عصماء کے ساتھ کیا کیا، عمیر نے عرض کی یا رسول اللہ، آپ تو سب حال جانتے ہیں، آپ نے فرمایا تم نے اُسے قتل کر کے، مسلمانوں کو، ایک نہایت بدگو دشمن سے نجات دلائی ہے، پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

اذا احببتم ان تنظروا رجلاً	اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا پسند کرتے ہو
نصر اللہ ورسولہ بالغیب	جس نے، اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ،
فانظروا الی عمیر بن عدی۔	امداد کی ہے، تو عمیر بن عدی کو دیکھو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سنا، تو فرمانے لگے، اس نابینا کو دیکھو، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے، کیا، کیا، اس کا مرتبہ تو ہم سے بلند ہوگیا، حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے عمر!

لا تقل اعمٰی ولکنہ بصیر۔	ان کو، اندھا مت کہو، یہ بصارت والے ہیں۔

نصرت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کا سبب صرف اور صرف، غیبی امداد و نصرت تھی، اس کے علاوہ کوئی ظاہری و مادی وجہ ایسی نظر نہیں آتی، جس کے باعث، ایک نہتی اقلیت، مسلح اکثریت پر، غالب آگئی، یہی وجہ ہے، کہ ظاہری اسباب اور مادی وسائل کو، حقیقت جاننے والی دنیا آج تک اس معرکہ میں مسلمانوں کی کامیابی پر متحیر و متعجب ہے، اور ان کا اس طرح حیرت زدہ رہنا ہی ثبوتِ حق ہے جس کے لیے یہ جنگی معرکہ ظہور پذیر ہوا، لیکن ہمیں حیرت ہے، اپنے دور کے اُن بعض جدت پسند مصنفین پر جنہوں نے خواہ مخواہ، مادہ پرستوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کفار کی شکست کے کچھ، لایعنی، ناقابل اعتبار، مادی اسباب بیان کر ڈالے، جن کو، اگر تسلیم کر لیا جائے تو مقصد بدر ہی ختم ہو کر رہ جائے، نہ تو، احقاق حق حاصل ہوگا اور نہ ہی ابطال باطل، بلکہ یہ ایک اتفاقی فتح قرار پائے گی، جس کا سبب، وقتی طور پر ایسے حالات و واقعات کا پیدا ہو جانا، ہوگا، جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچا اور بس، ہارنے والے جیت گئے اور جیتنے والے اتفاق سے ہار گئے۔

جب ہم نے غزوہ بدر کو مادہ پرستوں کے سامنے بطور چیلنج پیش کرنا چاہتے ہیں، کہ اگر قوت و طاقت صرف ظاہری و مادی اسباب کا نام ہے تو پھر تم ہی بتاؤ، کہ غزوۂ بدر میں اہل اسلام بغیر، وسائل کے کیسے غالب آئے، اور یہ ایک

مسلمہ حقیقت ہے، کہ بظاہر ان کے غالب آنے کے اسباب موجود نہ تھے، اور جب مادہ پرستوں کے پاس، اس کا کوئی جواب نہ ہوگا، اور یقیناً نہیں ہے، تو حق ثابت ہو جائے گا، اور حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ اصل قوت مادی وسائل نہیں، بلکہ غلبہ وقوت کے مالک حقیقی اللہ جل وعلا، کی اور امداد و نصرت ہے، اگر اس کا فضل شامل حال نہ ہو تو، ظاہری اسباب و مادی وسائل کے پہاڑ بھی کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتے بس اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○	کہو، اے اللہ اے سب ملکوں کے مالک، تو ہی بخشتا ہے ملک جسے چاہتا ہے، اور چھین لیتا ہے، ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں ساری بھلائی ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (پ ۳، آلعمران، ۲۶)

غرضیکہ، یہ نصرتِ الٰہی اور تائید ایزدی ہی تھی، جو لشکرِ اسلام کی کامیابی و کامرانی کا سبب بنی، قرآن کریم نے اس کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا، تاکہ رہتی دنیا تک انسان، اس پر غور و فکر کرتے رہیں، جو اس کو حاصل کر کے عزت پانا چاہے وہ اہل بدر کے نقشِ قدم پر چلے، ورنہ، حیرت و یاس کے سمندر میں، ڈبکیاں لگاتا اور مرتا رہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○	بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ (پ ۹، انفال، ۲۲)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ۖ

بے شک سب جانوروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں، جنہوں نے کفر کیا، پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے ۔

(پ ۹، انفال، ۵۵)

اب ہم تفصیل کے ساتھ، نصرت و امداد کے لیے خدا کی اُن نعمتوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن سے، اللہ عزوجل نے اپنے ان بندوں کو نوازا جو اس کی رضا کے لیے اپنے سروں پر کفن باندھ کر اور ہتھیلیوں پر جان رکھ کر میدانِ کارزار میں، حاضر ہو گئے تھے، نہ انہیں کوئی غم تھا، نہ فکر، نہ وہ خوف زدہ تھے، نہ پست ہمت، خدا کی رضا کے سوا ان کا مقصود اور کچھ نہ تھا، رسول کی راہبری پر انہیں مکمل اعتماد اور، خدا کے سہارے پر پورا، پورا، بھروسہ تھا، پس اللہ اُن سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے ۔

جنگ کے لیے نکلنا

بلاشبہ، غزوۂ بدر، اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی عزت و عظمت کا ذریعہ بنا، خدا نے، اپنے بندوں کو اس نعمتِ عظمیٰ سے نوازنے کے لیے، یہ احسان فرمایا، کہ حالات ناسازگار ہونے کے باوجود دونوں لشکر، میدان کارزار میں پہونچ گئے، اور مقابلہ ہوا،

یہ اللہ ہی کی تدبیر و حکمت تھی کہ، مدینہ سے نکلتے وقت لشکر اسلام کے پیش نظر صرف قافلۂ تجارت تھا جس کو لوٹ کر وہ، دشمن کو معاشی طور پر تباہ کر دینے کی اہم سیاسی پالیسی پر عمل کر رہے تھے، لیکن تھوڑی دور، چلنے کے بعد حالات نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بالآخر ایک بڑے لشکرِ کفار سے مقابلہ ہو گیا، اگر مدینہ ہی میں اس لشکر سے مقابلہ کا پتہ، مسلمانوں کو چل جاتا تو یقیناً وہ ظاہری حالات کا تجزیہ کرتے، اور پھر ہرگز مقابلہ کے لیے نہ نکلتے، اور حق و باطل کی اس جنگ میں تاخیر ہوتی، اور اُس پروگرام

برعمل نہ ہو پاتا، جو اس فیصلہ پر موقوف تھا۔

دوسری طرف، کفار، بالخصوص، ابوجہل کا مسلمانوں کے خلاف سخت برافروختہ ہونا اور اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے مکہ سے نکل پڑنا، اور قافلہ کے، بحفاظت مکہ پہونچ جانے کی اطلاع کے بعد بھی مسلمانوں سے جنگ پر اصرار کرنا، یہ سب بھی اللہ ہی کی طرف تھا، کہ اگر کفار کی سوچنے سمجھنے کا موقع مل جاتا تو وہ بھی حالات پر نظر رکھتے ہوئے، ابھی جنگ کا فیصلہ نہ کرتے، اور اس طرح، کفر کو، مزید طاقتور ہونے اور پنپنے کا کچھ وقت ملتا، اور ان کی سازشوں سے مسلمان، پریشان ہی ہوتے رہتے، انہیں سکون ہی نہ مل پاتا کہ وہ اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے، کچھ کرتے۔

پس اللہ رب العزت نے مسلمانوں پر انعام فرمایا، کہ وہ بغیر ارادہ جنگ کے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے، اور پھر خدا کو اُن سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو گیا۔

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ) اس لیے تھی تا تاکہ اللہ وہ کام کر دکھائے جو ہونا ہی تھا تاکہ، ہلاک ہو، جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ رہے، جسے زندہ رہنا ہے، دلیل سے، اور بیشک اللہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

(پ ۱۰، انفال، ۴۲)

بارش ہوگئی

چونکہ لشکر قریش، مسلمانوں سے پہلے بدر پہونچ گیا تھا، لہٰذا انہوں نے اس

مقام پر پڑاؤ ڈال لینا تھا جو بظاہر، ہر اعتبار سے موزوں تھا جس کو قرآن کریم نے "عدوۃ قصوٰی" فرمایا، زمین ایک سی سخت تھی، پانی بھی موجود تھا، لیکن مسلمانوں کا قیام "عدوۂ دنیا" میں ہوا، وادی کا وہ حصہ جو مدینہ کے قریب تھا، جس میں نشیب و فراز تھے زمین ایسی ریتلی تھی کہ چلنا دشوار ہو رہا تھا، پیر دھنسے جاتے تھے، وضو، غسل، پینے اور دیگر ضروریات کے لیے پانی تک نہ تھا اس صورت حال سے شیطان نے بھی فائدہ اُٹھانا چاہا، کہ بے سروسامان مسلمانوں کے دلوں میں خوب وسوسے ڈالنے لگا "تم اہل حق ہو، تمہارے ساتھ نبی برحق ہے، اگر یہ سچ ہے، تو کیا اہل حق کا یہی حال ہوتا ہے کہ پینے کے لیے پانی تک میسر نہیں، کیا اسی حال میں تم شان و شوکت والے بڑے لشکر سے مقابلہ کرو گے۔

پس اللہ نے کرم فرمایا، اور رات ہی کو بارش ہونے لگی، نہ تو یہ بارش کا موسم تھا نہ ہی کوئی ایسے آثار تھے، جن سے عام طور پر بارش کا اندازہ لگایا جاتا ہے لیکن جب خدا فضل فرمائے، تو نہ موسم ضروری ہے، نہ آثار، بارش ہوئی خوب ہو گئی، موسم خوشگوار ہو گیا، مرجھائے ہوئے دل، ترو تازہ ہو گئے، جسموں کی خاک و دھول اور تکان ختم ہو گئی پیاس بجھ گئی، وضو، غسل اور پاکی کا ذریعہ فراہم ہوا خشک گڑھے، حوض بن گئے تا کہ پانی بعد تک کام آتا رہے، ریتلی زمین سخت ہو گئی، کہ چلنا پھرنا آسان ہو، یہ خدا کے بندے ہیں، جن کے لیے خدا نے نیامگاہ کو پُر فضا اور ہموار کر دیا، یہ اللہ کے مہمان ہیں، جن کے کھانے پینے کا انتظام اُس نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے، یہ اسی خدا نے کیا، جس نے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے، سمندر کو سخت کر دیا تھا اور ان کے قافلہ کے لیے راستہ بنا دیا تھا اور جب پانی کی ضرورت پیش آئی، تو قافلوں کی تعداد کے مطابق پتھر سے چشمے جاری فرمائے، اور جس نے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے بند کمرے میں، بے موسم پھلوں کا اہتمام فرمایا تھا

خدا کے فضل و کرم کے واقعات سے تو تاریخ انسانیت بھری پڑی ہے اور سب ہی مانتے ہیں، پھر اگر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو کسی نعمت سے نوازا گیا، تو حیرت و استعجاب کس بات پر، کوئی نئی بات ہو، انوکھی بات ہو، تو حیرت کرو، نہیں، یہ حیرت نہیں، تعجب نہیں، بلکہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور عظمت کا انکار ہے تو کسی کا انکار، میرے ایمان کو ہرگز، متزلزل نہیں کر سکتا۔

اس بارش سے، اہل حق کو فائدہ ہوا، خوب فائدہ ہوا، لیکن اہل باطل، ان کے لیے یہ بارش مصیبت و زحمت بن گئی، ان کا سامان عیاشی برباد ہوا، عیش و عشرت کے لیے جگہ جگہ، جلائی گئی آگ بجھ گئی، اور ان کے دلوں کی آگ مزید بھڑکنے لگی، ان کا پڑاؤ نشیب میں تھا، بڑی اچھی جگہ تھا، لیکن اب وہاں بارش کا پانی بھرا پورا میدان کفر و لدل بن گیا، کہ چلنا پھرنا بھی مشکل ہو گیا۔ یہ ان کی تباہی و بربادی کی پہلی نشانی تھی اگر سمجھ لیتے، تو بھاگ جاتے، جان بچ جاتی، لیکن کفر چاہے کتنی ہی شوکت و عظمت والا ہو، اندھا ہوتا ہے جو چاند کو، دو ٹکڑے دیکھ کر بھی نہ سمجھ سکے تھے، وہ آج کیا سمجھ لیتے۔

خدا نے، اپنے اسی انعام کا تذکرہ، سورۂ انفال کی گیارہویں آیت میں فرمایا ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں دوبارہ پھر نظر ڈال لیجئے اس کے بعد ہم جس نعمت کو بیان کر رہے ہیں، اس کا ذکر بھی انہیں آیت میں موجود ہے۔

نیند آ گئی

اللہ نے اپنے سپاہیوں پر یہ فضل فرمایا، کہ انہیں نیند آ گئی، وہ خوب سوئے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بعض صحابہ کا حال بیان کر چکے ہیں، کوئی اُٹھتا تو پھر دوسری جگہ لیٹ کر سو جاتا، کسی کے ہاتھ سے بار، بار، تلوار چھوٹ جاتی، غرضیکہ

خوب سوئے، جس سے فائدہ یہ ہوا کہ جنگ کی صبح سب تازہ دم، ہشاش بشاش تھے یقیناً یہ اللہ کا بڑا فضل تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول صاحبِ روح البیان نقل، کرتے ہیں۔

النعاس عند القتال امن من الله تعالیٰ وھو فی الصلوٰۃ من الشیطٰن۔	جنگ کی حالت میں، اونگھ، ذریعۂ سکون ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

ظاہر بینوں کے لیے، بڑی حیرت کا مقام ہے، کہ نیند، اور میدانِ جنگ میں وہ بھی ایسے وقت جب کہ صورتِ حال نہایت خطرناک ہے، تین گنا بڑا دشمن سر پر مسلط ہے، بظاہر، صبح موت کا سامنا ہے، انسان کا تو یہ حال ہے کہ ذرا پریشانی ہو، الجھن ہو، نیند اُڑ جاتی ہے، سونے کی دوائیں استعمال کرنا پڑتی ہیں، نہ جانے کیا جتن کرتے پڑتے ہیں کہ کسی طرح نیند آجائے، اور یہاں جنگ کی رات ہے میدانِ جنگ ہے، سب گھر سے بے گھر ہیں، بظاہر دوبارہ گھر والوں سے ملنے کی توقع بھی نہیں اور سو رہے ہیں، بڑے آرام سے۔

تو جنہیں حیرت ہوتی ہے ہوا کرے، خدا پر ایمان رکھنے والوں کو کوئی حیرت نہیں، رسول کے غلام میدان جنگ میں سو گئے تو کیا ہوا، یہ تو چھوٹی سی بات ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام تو آگ میں سوئے تھے، یہ سب کیسے ہوا، بات بالکل واضح ہے ڈاکٹر تڑپتے ہوئے مریض کو نشہ کا انجکشن لگا کر سلا دیتا ہے، تاکہ عارضی آرام مل جائے، تو خدا اپنے بندوں کو جب چاہے، خوف وغم سے آزاد کر کے سلا دے کہ میرے بندوں کو سکون نصیب ہو جائے، کیا یہ قادرِ مطلق کے لیے دشوار ہے پھر بندے کو تو، خدا کی یاد سے سکون مل جاتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ	خبردار، اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن

الْقُلُوْبُ ہوتے ہیں

(پ ۱۳، الرعد، ۲۸)

تو پھر جہاد، جو ذکرِ الٰہی کی چادر ہے، اُسے اوڑھنے والوں کے دل کیوں نہ مطمئن ہوں اس چادر تلے، نیند آنا ہی چاہیئے تھی، پس آئی اور مجاہدین خوب سوئے۔

فرشتوں کی آمد

سورۂ العمران کی آیات نمبر ۱۲۳ تا ۱۲۷، سورۂ انفال، کی آیات نمبر ۹، ۱۰، بغور پڑھیئے پھر مندرجہ ذیل سطور کا مطالعہ کیجئے۔

حضور نبی کریم علیہ السلام نے اپنے غلاموں کی چھوٹی سی، کمزور جماعت کے لیے عریش میں جس عجز و انکساری کے ساتھ، اپنے رب کریم سے دعا کی، اس کی تفصیل آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں، اللہ نے اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، اور لشکرِ اسلام کے لیے، فرشتوں کے نزول کا مژدہ سنایا، کہ ایک ہزار فرشتوں کا لشکر، میرے سپاہیوں کی امداد کے لیے آ رہا ہے، اور جب دورانِ جنگ ایک موقع پر مسلمانوں نے یہ خبر سنی کہ کفار قریش کی امداد کے لیے کُرز بن جابر ایک بڑا لشکر لے کر آنے والا ہے تو اللہ نے بھی اپنے بندوں کی امداد میں اضافہ کیا اور فرمایا، مت تم ہرگز نہ گھبراؤ، ہمارے لشکر سے بڑا لشکر کس کا ہو سکتا ہے، اگر دشمن کی مدد کے لیے کوئی پہونچا، تو ہم مزید، تین ہزار کا نورانی لشکر نازل فرما دیں گے، اور اگر دشمن کا حملہ شدید ہو گیا، تو پھر ہم اپنے لشکر کی تعداد بڑھا کر پانچ ہزار کر دیں گے۔

میدان بدر میں اگر غور کیا جائے، تو فرشتوں کا نزول کوئی حیرت کی بات نہیں کہ فرشتہ تو، انسانوں کی خدمت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور نظامِ قدرت

کی انجام دہی کے لیے ہمیشہ ہی دنیا میں آتے جاتے رہتے، ہر انسان کے ساتھ ہر وقت دو فرشتے رہتے ہیں، عزرائیل علیہ السلام تو، اپنی پوری جماعت لیے، ایک ایک انسان کے گھر پر پہونچتے ہیں، اور باطل کے مقابلہ پر اہل حق کی مدد کے لیے بھی اس سے پہلے کئی مرتبہ، فرشتوں کے لشکر آچکے ہیں، پس، غزوۂ بدر، احد، حنین، دیگر غزوات اور دیگر مقامات پر، اہل حق کی امداد کے لیے اگر اللہ کا لشکر نازل ہوا تو کیا تعجب ہے۔

ملائکہ کی یہ عظیم فوج، حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام کی قیادت میں، منظم ٹولیوں کی صورت میں اس طرح، لشکر کے درمیان، دائیں بائیں اتری، کہ اللہ کے سپاہیوں کی ہر طرح سے دور ہو سکے، ان کے، عمامہ اور لباس سفید تھا چتکبرے گھوڑوں پر یہ سوار تھے، ہوا کے جھوکوں کے ساتھ، گہرے بادلوں میں سے یہ زمین پر آئے۔

اللہ نے اپنی نورانی مخلوق کی یہ فوج، کافروں سے جنگ کے لیے، نازل نہیں فرمائی تھی، اگر فرشتوں ہی سے، دشمن کو ہلاک کرانا مقصود ہوتا، تو اس کے لیے تو صرف حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی کافی تھے، جن کی قوت کا اندازہ انسانیت متعدد بار کر چکی ہے، انہوں نے اس پہلے اپنے بازو کے ایک پر کی قوت سے، قوم لوط کو ہلاک کر ڈالا اپنی ایک چیخ سے قوم ثمود کے شہروں کو تباہ کر دیا، یقیناً ان کافروں کے لیے بھی ان کا ایک اشارہ کافی ہوتا اتنے فرشتوں کو مقابلہ کرنے کے لیے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، یہ تو صرف اللہ نے اپنے پیارے بندوں کی دلجوئی کی تھی کہ انہیں اپنی تعداد کی کمی کا خیال نہ رہے، بلکہ یہ احساس ہو کہ، اگر دشمن کی تعداد ساڑھے نو سو ہے ہمارے پاس، ہزار فرشتے موجود ہیں اور اگر دشمن کی تعداد بڑھ جائے تو ہمارے ساتھ بھی پانچ ہزار فرشتوں کی جماعت ہو جائے گی اور جو خدا اتنی تعداد کر سکتا ہے، اس کے لشکر میں کمی نہیں، وہ جتنی چاہے، تعداد بڑھا دے، کون ہے جو اس لشکر

کا مقابلہ کرسکے، ہاں بعض مقامات پر، بوقت ضرورت، فرشتوں نے اپنا کام بھی دکھایا جیساکہ چند واقعات سے اندازہ ہوتا ہے۔

سائب بن جنیش، رضی اللہ عنہ، نے مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنی گرفتاری کا حال بیان کرتے ہوئے بتایا، میں مشرکین کے ساتھ، بھاگا جا رہا تھا، کہ بلند قد، خوبصورت نوجوان، چتکبرے گھوڑے پر سوار میرے آگے آیا، اور مجھے اس زور سے دبایا، کہ میں ہل نہ سکا، پھر اس نے مجھے باندھ دیا، اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آ گئے، انہوں نے مجھے اس حال میں دیکھا، تو، چلائے، یہ قیدی، کس کا ہے جب کسی نے جواب نہ دیا، تو وہ مجھے لے کر، حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے، اور آپ کو میرا حال بتایا، آپ نے مجھ سے پوچھا، کہ تمہیں کس نے گرفتار کیا، تو میں خاموش رہا، کیونکہ میں، اپنا حال حضور علیہ السلام کو بتانا نہ چاہتا تھا، پھر آپ نے خود فرمایا، کہ اس کو، اللہ کے فرشتے نے گرفتار کیا ہے، اور اے عبدالرحمٰن اب یہ تمہارا ہی قیدی ہے، اس کو لے جاؤ۔

سائب نے کہا، اگرچہ میں بہت دیر سے مسلمان ہوا، لیکن میں ہمیشہ اپنے اس واقعہ کو یاد کرتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ ایک انصاری حضور علیہ السلام کو، غزوۂ بدر کی باتیں سناتے ہوئے کہنے لگے، یارسول اللہ، میں ایک کافر کے پیچھے دوڑا کہ، اس کو مار دوں، لیکن وہ ابھی مجھ سے بہت آگے تھا اچانک میں نے اپنے قریب سے ایک گھوڑا گذرنے کا احساس کیا، اور سنا کہ اس کا سوار کہتا جا رہا ہے "اقدم یا حیزدم"، اور ایک لمحہ بعد ہی میں نے دیکھا، کہ اس کافر کا سر زمین پر تھا، میں دوڑا اور اس کو اٹھا لیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا، حیزدم، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے سے

کا نام ہے، وہ میدان جنگ میں تمہاری مدد کر رہے تھے۔

ابوالیسر کعب بن عمرو نے، عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کیا، جو بہت دراز قد تھے، حضور علیہ السلام نے ابوالیسر سے پوچھا کہ تم نے ان کو کس طرح گرفتار کر لیا، انہوں نے کہا ان کی گرفتاری میں، میری مدد، ایک ایسے شخص نے میری مدد کی، جسے میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، وہ نہایت ہی بارعب شکل و صورت والا تھا، چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا، حضور علیہ السلام نے فرمایا، اے ابوالیسیر تیری مدد کرنے والا شخص، اللہ کے اُن فرشتوں میں سے ایک تھا، جو بدر میں تمہاری مدد کے لیے نازل ہوئے۔

غرضیکہ ملائکہ، دوران جنگ مجاہدین اسلام کی مدد کرتے رہے، انہوں نے کافروں کو قتل بھی کیا زخمی بھی کیا، گرفتار کر کے باندھا بھی، مسلمانوں نے فرشتوں اور ان کے گھوڑوں کی آوازیں سنیں، انہیں دیکھا اور صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ کافروں نے بھی دیکھا۔

ابوسفیان جب مکہ واپس ہو کر جنگ کا حال، ابولہب اور دوسرے کافروں کو سنایا، تو یہ کہا کہ مسلمانوں کے پاس اسلحہ کی کمی نہ تھی ان کی تعداد بھی بہت تھی، ہم، اُن میں ایسے لوگوں کو بھی دیکھا، جن کے چہرے سفید تھے، وہ سفید لباس میں، سفید عمامے باندھے، چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے، جب وہ ہمارے کسی ساتھی کی طرف بڑھتے تو ان کا وار کبھی خالی نہ جاتا تھا، وہ زمین و آسمان کے درمیان اُڑتے بھی نظر آتے ہم کسی طرح بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

اور شیطان تو، اس خدائی فوج کو دیکھتے ہی بھاگا، جب کہ وہ مکہ سے وقت جنگ تک ابوجہل کے ساتھ، ساتھ لگا، ہوا، اس کا اہم ترین مشیر بنا ہوا تھا، اور کفار کی ہمت افزائی کے لیے، ان کی شجاعت و بہادری کے قصیدے، پڑھ

رہا تھا، اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلا رہا تھا۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۔	اور یاد کرو، جب ان کے لیے شیطان نے، ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا، اور کہا کہ، آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور میں تمہارا مددگار رہوں۔

شیطان، میدان جنگ میں، سراقہ بن مالک کی صورت اختیار کر گئے، ابوجہل کا ہاتھ پکڑے کھڑا تھا، جونہی اس نے دونوں لشکروں کو، آمنے سامنے دیکھا، اور لشکر اسلام میں فرشتوں کو اترتے دیکھا، تو ابوجہل سے کہنے لگا، اب میں جاتا ہوں، اور جب ابوجہل نے اس روکنا چاہا، تو اسے ایسا، دھکا دیا کہ وہ زمین پر گر پڑا اور یہ بھاگا۔

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝	تو جب دونوں فوجیں، آمنے ہوئیں، تو وہ اس پیچھے پاؤں بھاگا، اور بولا، میں تم سے علیحدہ ہوتا ہوں، میں وہ دیکھ رہا ہوں، جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

(پ ۱۰، سورۂ انفال، ۴۸)

شیطان کی عمر، اگرچہ بہت طویل ہے، لیکن اُسے مہلت "وقت معلوم" تک ملی ہے، کہ جب اللہ چاہے اس کو ہلاک کر دے، علاوہ ازیں، وہ فرشتوں، خصوصاً حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بہت ڈرتا ہے کہ اگر کسی نے اس کو گرفتار کر لیا تو نہ جانے پھر رہائی ملے یا نہ ملے، نیز، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سایہ سے بھاگتا ہے کہ اگر ان کی نظر اُس پر پڑ گئی تو وہ ان کے جلال کو برداشت نہ کر پائے گا، ممکن ہے کہ جل کر خاک ہو جائے۔ (۱)

(۱) روح البیان وغیرہ

تعداد کم دکھانا

خدا نے، اپنے اس انعام کا ذکر، سورۂ انفال کی آیات نمبر ۴۳، ۴۴، فرماتے ہوئے بتایا کہ مسلمانوں پر، دوران جنگ ایک احسان یہ بھی کیا گیا، کہ حضور علیہ السلام کو خدا نے خواب میں، اور عام صحابہ کو ظاہر میں، کافروں کی تعداد کو کم دکھایا۔

حضور علیہ السلام نے اپنے عریش میں دعا سے فارغ ہو کر تھوڑا آرام فرمایا اور جب بیدار ہوئے، تو چہرہ انور پر خوشی کے آثار تھے، آپ نے اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مژدہ سناتے ہوئے بتایا کہ کافروں کو میں نے خواب میں تھوڑا دیکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں یقیناً شکست ہو گی۔

جب کہ مسلمانوں نے کو ظاہر میں اپنا دشمن کم ہی نظر آرہا تھا، جیسا کہ، ایک موقع پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا، "کیا تم کافروں کو ستر دیکھتے ہو"، یعنی مجھے ستر نظر آرہے ہیں کیا تمہیں بھی اتنے ہی نظر آتے ہیں تو ان کے ساتھی نے کچھ غور کر کے کہا، نہیں، مجھے، تو "سو" نظر آرہے ہیں حالانکہ وہ ایک ہزار تھے، مسلمانوں کو اس لیے کم نظر آئے کہ:۔

تثبیتاً لھم وتقویۃ لقلوبھم وتصدیقا لرؤیا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ ان سے ڈٹ کر لڑیں، مسلمانوں کے دل مضبوط رہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تصدیق ہو جائے۔

اور کفار کو بھی مسلمان، زیادہ نہیں کم نظر آرہے تھے، اگر زیادہ نظر آتے تو کافر بھاگ کھڑے ہوتے جب اللہ کو تو، جنگ کرانا ہی مقصود تھی، تاکہ اسلام غالب ہو، اور

---

(۱) روح البیان والبدایہ والنہایہ

دنیا پر یہ حقیقت واضح ہو جائے، کہ اہل حق وسائل سے نہیں، خدا کے فضل و کرم اور اس کی نصرت سے غالب رہتے ہیں۔

درحقیقت، اس کی کیفیت کا تعلق، دونوں لشکروں کے عزائم اور مقاصد سے بھی ہے کہ اہل حق کے سامنے خدا کی رضا، رسول کی اطاعت اور اسلام کو غالب کرنے کا، ایسا جذبہ تھا جس کی تکمیل کے لیے ان کے دل میں، اب نہ تو کسی چیز کی محبت باقی رہی تھی، نہ ہی ذہن میں کسی کی قوت کا تصور اور کسی ڈر کا خیال رہا تھا، انہیں، جنت کے باغات سامنے نظر آ رہے تھے، جن کی راہ میں، چند پتھر چند کانٹے کافروں کی صورت میں تھے، وہ انہیں بہت کم نظر آئے بہت کمزور نظر آئے، پس انہوں نے عزم کر لیا کہ ان پتھروں اور کانٹوں کو ہٹائے، کاٹتے، ہمیں اپنی منزل تک بہرحال پہونچنا ہے۔

اور اہل باطل کو تکبر و غرور، تعداد و وسائل کی کثرت پر اعتماد، شہرت و عزت کی ہوس نے، شیطان کے مکر و فریب نے ایسا اندھا کر دیا تھا، کہ صبر و استقامت، شجاعت و دلیری کے سورج ان کے سامنے چمک رہے تھے، لیکن انہیں تو ایسا نظر آ رہا تھا، کہ سامنے چند چراغ ٹمٹما رہے ہیں، بس ہم نے پھونک ماری اور یہ ہمیشہ کے لیے بجھے اور فرعونیت کا تاج ہمیں ملا۔

پس دونوں ہی نے، ایک، دوسرے کو کم، کمزور، دیکھا اور غالب وہ رہا، جس کا مقصد مقدس تھا، اور تائید الٰہی جس کے ساتھ تھی۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

تاکہ، اللہ وہ، کر دکھائے جو ہونا ہی تھا، اور، اللہ ہی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جاتے ہیں۔

(پ۔ ۱۰، انفال، ۴۴)

مٹھی بھر خاک

جب جنگ پورے شباب پر تھی، جبرائیل علیہ السلام، حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ، آپ ایک مٹھی خاک، دشمن کے لشکر پر پھینکیے، پس، حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاک لانے کا حکم دیا، انہوں نے تعمیل حکم کی، اور حضور علیہ السلام نے، "شاہت الوجوہ"، (چہرے مرجھا جائیں) پڑھ کر لشکر کفار کی طرف خاک اڑائی، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس میں خاک نہ پڑی ہو، اور کوئی حلق ایسا نہ تھا، جس میں خاک کا اثر نہ ہوا ہو، بس پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے کا ظہور ہونا تھا، کہ دشمن کے پیر اکھڑ گئے، اب مسلمانوں کی طرف ان کے سینوں کے بجائے، پیٹھیں تھیں، مجاہدین اسلام، ان کو گرفتار کر رہے تھے، اُن کا چھوڑا ہوا مال جمع کر رہے تھے، اور جو اللہ نے چاہا وہ پورا ہوا، حق ثابت ہو گیا، اسلام غالب آگیا۔ (۱)

کافروں پر، پتھر، کنکریاں، خاک برسنے کے واقعات تاریخ انسانیت میں کئی مرتبہ پیش آچکے ہیں ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند ماہ پہلے، خدا نے اپنے گھر، کعبہ کے دشمن کو، کنکریاں برسا کر ہی تباہ و برباد فرمایا تھا۔ اور یہ کام ابابیل سے لیا گیا تھا لیکن، غزوۂ بدر، میں اور اس سے پہلے، ہجرت کے لیے گھر سے نکلتے وقت، اس کے بعد غزوۂ حنین میں، تین مرتبہ، کافروں پر خاک و کنکریاں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ السلام کے دستِ مبارک سے برسوائیں، تاکہ یہ ثابت کر دیا جائے، کہ اب دنیا میں، ہماری عطا رو دین سے، وہ قوت و قدرت والا نبی موجود ہے، جس کی رضا و خوشنودی، ہمارے رحم و کرم کی برسات کا ذریعہ ہے، اور اُس سے بغاوت، اس

---

(۱) روح البیان، سورۂ انفال،

کی حکم عدولی، اس کی ناراضگی، ہمارے، عتاب و عذاب کے نزول کا سبب ہے نیز اب ہم جو کچھ دیتے ہیں وہ اسی نبی کے واسطے اور وسیلے سے دیتے ہیں، اب کافروں پر کنکریاں برسوانے کے لیے، ہم نہ تو فرشتوں کو بھیجیں گے، نہ ابابیل کو حکم دیں گے، اب اگر انسان، میرے نبی سے بغاوت کرے گا، تو نبی ہی سے اس کو تباہ کرایا جائے گا۔

پس، اے انسانوں، تمہاری بھلائی اور نجات اسی میں ہے کہ اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، ان کے دامن میں پناہ لو، ان کی بغاوت اور مقابلہ سے باز آؤ، کہ کوئی قوت ان کو مغلوب نہیں کر سکتی، دیکھو جس کی پھینکی ہوئی مٹی، تمہیں میدان سے بھاگنے پر مجبور، کر رہی ہے، اگر وہ تم پر نظر غضب ڈال دے تو تمہارا کیا حشر ہوگا، لہذا، میرے نبی کے غضب کو دعوت نہ دو، ان کی رحمت میں پناہ لو، دنیا میں کامیاب رہو گے، اور آخرت کی نجات یقینی ہو گی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

"وضاحت"

اس عنوان کے ذیل میں، ہم غزوۂ بدر سے متعلق، کچھ ایسے امور کی وضاحت کرنا چاہتے جو، دورانِ مطالعہ، یا دورانِ تحریر، ہمیں قابلِ وضاحت معلوم ہوئے، تاکہ ہمارے قارئین کے ذہنوں میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

۱۔ عیر یا نفیر

قافلۂ تجارت کو، عیر کہا جاتا ہے اور قافلہ جنگ کو، نفیر۔

یہ امر بالکل واضح اور مسلمہ ہے، کہ حضور علیہ السلام۔

مدینہ طیبہ سے، عیر کے تعاقب، اور اس کے مال واسباب پر، قبضہ کرنے کیلیے اپنے چند (۳۱۳) جانثاروں کے ساتھ نکلے، تاکہ کفارِ مکہ کی معاشی حالت کو کمزور کر دیا جائے، اور جو مال، اسلام کے خلاف استعمال ہونے کے لیے مکہ جا رہا ہے، اس کو دشمن تک نہ پہونچنے دیا جائے۔

چونکہ ارادہ صرف عیر کا تھا، لہٰذا حضور نے اپنے قافلہ کو کسی لشکر کی صورت نہ دی نہ تو تمام صحابہ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، نہ دیگر سامان جنگ جمع کرنے کی کوشش فرمائی، اس وقت مدینہ میں صرف، تین سو تیرہ صحابہ ہی موجود نہ تھے اور نہ ہی کوئی ایسی صورت تھی کہ دیگر صحابہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے کے لیے

تیار نہ ہوتے، ان میں سے ہر ایک جاں نثار تھا، اگر سب کو معلوم ہو جاتا، کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم، دشمن اسلام کے مقابلے کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں تو ایک بڑا لشکر تیار ہو جاتا، حضور علیہ السلام جب، جنگ سے فارغ ہو کر واپس مدینہ تشریف لائے تو صحابہ نے، جنگ میں شریک نہ ہونے پر اظہار افسوس کیا، اور شکوہ بھی کہ، اے اللہ کے رسول آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں، کہ آپ اتنے عظیم مقابلہ کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں ورنہ ہم بھی اپنے بھائیوں کی طرح، یا تو شرف شہادت پاتے اور یا آج فاتح کی حیثیت سے ہمارا سر بلند ہوتا۔

سامان جنگ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوا، کہ اس وقت، جو تلواریں اور سواریاں موجود تھیں وہی لے لی گئیں، حالانکہ اگر کوشش کی جاتی تو مزید تلواریں بھی جمع ہو سکتی تھیں زرہیں بھی مہیا ہو جاتیں، اور سواریاں بھی مل جاتیں، بلکہ بعض صحابہ نے عرض بھی کی، کہ اگر اجازت ہو تو ہم اپنی چراگاہوں سے کچھ سواریاں لے آئیں، لیکن حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا (۱)

غرضیکہ، یہ قافلہ تقریباً ایسا ہی تھا، جیسے اس سے پہلے کئی قافلے، قریش کے تجارتی قافلوں کے تعاقب میں جا چکے تھے، جیسے، غزوہ الواء سریہ دار ارقم سریہ سعد بن ابی وقاص، غزوۂ بواط، غزوۂ عشیرہ سریہ عبداللہ بن حجش، وغیرہ، قرآن وحدیث کی روشنی میں، جمہور امت مسلمہ نے اسی موقف کو اختیار کیا، اور اسی پر ہمیشہ اتفاق رہا، ہمیں یہ وہم وگمان بھی نہ تھا، کہ اس واضح تاریخی حقیقت میں بھی کسی کو اختلاف کی جرأت ہوگی، لیکن جب دوران مطالعہ ہم نے بعض مصنفین کا یہ موقف پایا، کہ۔

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہی سے نفیر کا ارادہ کر کے چلے تھے

---

(۱) معارف القرآن، ج ۴، انفال

توہمیں تشویش ہوئی، اور ہم نے دائرہ مطالعہ مزید وسیع کیا، تاکہ اگر یہ دوسرا موقف صحیح ثابت ہو اور قرآن وحدیث، نیز علماء متقدمین سے اس کی تائید ہوتی ہو، تو ہم، قارئین تک پہونچنے سے پہلے ہی رجوع کرلیں، تاکہ کسی کی نوکِ قلم کا نشانہ، نہ بننے پائیں ۔

خدا کا شکر ہے کہ ہماری تشویش رفع ہوگئی، اور اب ہم پہلے سے زیادہ اپنے موقف پر یقین رکھتے اور پورے وثوق سے کہتے ہیں، کہ،

"مدینہ طیبہ سے حضور علیہ السلام کا نکلنا، عیر ہی کے لیے تھا، نفیر کے لیے ہرگز نہیں"

کیونکہ ہمیں، بحمداللہ، قرآن وحدیث کے علاوہ مندرجہ ذیل، علماء متقدمین و متاخرین کی تائید حاصل ہے،

شیخ اسماعیل حقی البروسی	تفسیر روح البیان
شیخ سید محمود آلوسی بغدادی	تفسیر روح المعانی
شیخ امام محمد فخرالدین رازی	تفسیر کبیر
شیخ ابوالفدا حافظ اسماعیل بن کثیر	تفسیر ابن کثیر والبدایہ والنہایہ
علامہ سید امیر علی	تفسیر مواہب الرحمٰن
حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی	تفسیر نعیمی و مراٰۃ المناجیح ۔
صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی	کنزالایمان، حاشیہ ترجمۂ قرآن اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی ۔
علامہ مفتی محمد شفیع	تفسیر معارف القرآن
علامہ اشرف علی تھانوی	تفسیر بیان القرآن
عبدالماجد دریا آبادی	تفسیر ماجدی، اردو، انگلش
امام احمد بن محمد القسطلانی	مواہب اللدنیہ

علامہ محمد حفیظ الرحمٰن سیوہاروی	قصص القرآن
مولانا ملا معین واعظ الکاشفی	معارج النبوت
علامہ نور بخش توکلی	سیرت رسول عربی
علامہ عبدالمصطفیٰ الاعظمی	سیرت مصطفےٰ
محمد ابوالفضل ابراہیم، محمد احمد جاد المولیٰ	قصص القرآن (مطبوعہ بیروت)
علی محمد البجاوی، السید شحاتہ	″ ″
علامہ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی	مدارج النبوت

"ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین"

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن
ڈاکٹر حمید اللہ خان (پیرس)	بذریعہ مکتوب (لہ)

لہ ہم نے چاہا کہ، زیر قلم عنوان سے متعلق، وقت کے معروف محقق، ڈاکٹر حمید اللہ خان کا نظریہ بھی معلوم کریں، اُن کی کوئی ایسی کتاب تو، ہمیں میسر نہ آسکی، جس سے ہمارا مقصود حاصل ہوتا لہٰذا ہم نے موصوف کو عریضہ روانہ کیا، انہوں نے ہمارے سوال پر پوری توجہ دی اور نہایت ہی تسلی بخش جواب عنایت فرمایا جس کے لیے ہم ڈاکٹر صاحب کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے مکتوب کا، ایک اہم حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ جو قارئین کرام کے لیے نہایت مفید ہوگا، ڈاکٹر صاحب، غزوہ بدر کی تفصیل کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ، مدینہ سے نکلے تھے، کاروں کو لوٹنے کے لیے (قرآن میں ہے، غیر ذات الشوکۃ) مگر، کارواں کا بچ نکلنا اور اس کی حفاظت کے لیے آنے والی، دشمن فوج سے مقابلہ کرنا، مقدر تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ملاحظہ فرمایا، یہ کیسے اور کتنے علماءِ کرام کی ہمیں تائید حاصل ہوئی، ان سب نے اپنے الفاظ میں یہی فرمایا ہے۔

"کہ حضور علیہ السلام، قافلہ تجارت کی اطلاع پاکر، مدینہ منورہ سے نکلے تاکہ اس قافلے کے مال واسباب پر قبضہ کر کے کفارِ مکہ کی شہ رگ کاٹ دیں"

شاید آپ پوچھیں گے، کہ کیا کہ کاروانوں کو لوٹنا جائز ہے!

یہی اعتراض دشمن مستشرقین کرتے ہیں، اور یہی سوال مجھ سے، کوئی پچاس سال قبل، پیرس میں ڈاکٹری کے، مقالے کے امتحان کے وقت میرے ممتحن، پروفیسر نے کیا تھا، میں نے جواب دیا تھا، کہ جب دو مملکتوں میں جنگ چھڑی ہوتی ہے اور مکہ ومدینہ، دو مملکتیں تھیں، تو ہر ایک کو دشمن کی جان اور مال کو نقصان پہنچانے کا حق ہوتا ہے، (جیسا کہ حالیہ جنگ میں فرانس اور جرمنی کو حق تھا) اور یہ، نہ بھلایا جائے، کہ قریش نے مسلمانوں کی جائدادیں، جو مکہ میں ہجرت کے وقت رہ گئی تھیں، ضبط کر لی تھیں بہت سے مسلمانوں کو مکہ میں جان سے مار ڈالا تھا، اور خود رسول اللہ کو قتل کرنے کا منصوبہ کیا تھا اور، یہ گویا، اسلامی مملکت کے خلاف اعلانِ جنگ تھا، میں نے پروفیسر صاحب کو، یہ بھی کہا تھا، کہ قافلوں کو، لوٹنا معاشی دباؤ ڈالنا تھا، نہ کہ بےقصور معصوم مسافروں کا مال لوٹنا، اس پر وہ کہنے لگے کہ یہ نئی اصطلاح ہے، میں نے کہا، اصطلاح، نئی ہے، لیکن، دشمن پر دباؤ ڈالنا، یہ پرانا معاملہ ہے، ہمیشہ ہوتا رہا ہے، اور، مملکت اسلامی کے سپہ سالار (رسول اکرمؐ) نے بھی یہی کیا، اس پر وہ چپ ہو گئے اور مجھے امتحان میں کامیاب کر دیا۔

ہمیں افسوس ہے، کہ یہ مقالہ، ہم قیامِ ہالینڈ کے دوران قلمبند کر رہے ہیں اور یہاں "القادری اسلامک سینٹر" کے دارالمطالعہ میں ہمیں یہی کتابیں میسر آئیں بلکہ ان میں سے بھی چند کتابیں، میرے رفیق حضرت علامہ مولانا بدر القادری نے فراہم کیں، کاش، اس وقت ہم مدرسہ انوار العلوم ملتان کے کتب خانہ میں ہوتے، تو یقیناً اس سے کئی گنا زیادہ علماء کی تائید حاصل کر لیتے، تاہم، جن علماء اور ان کی کتب کا ہم نے تذکرہ کیا، وہ ہمارے اطمینان قلب کے لیے کافی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ قارئین کرام بھی مطمئن ہوں گے۔

اب ہم ان حضرات کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں، جنہوں نے، مذکورہ علماء متقدمین و متاخرین سے بلا دلیل اختلاف کرتے ہوئے اُن کے مؤقف کے برعکس موقف اختیار کیا، کہ،

"حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ سے ہی، لشکر قریش کا مقابلہ کرنے کے ارادے سے نکلے"

یہ موقف جن حضرات نے اختیار فرمایا، ان کے اسمائے گرامی اور تعداد بھی ملاحظہ ہو،

علامہ شبلی نعمانی	سیرت النبی، جلد اول
ابو الاعلیٰ مودودی	تفہیم القرآن
امین احسن اصلاحی	تدبر قرآن

یہ تین حضرات چونکہ، کافی متعارف و مشہور ہیں، لہذا، دوران مطالعہ ہم نے انہی کی طرف رجوع کیا تھا جب ان کا مؤقف ہم نے، قرآن و حدیث اور تمام اسلاف علماء متقدمین و متاخرین سے الگ پایا جاتا تو ہمیں بے حد افسوس ہوا، اور اندازہ ہوا، کہ ایسے ہی خود رو اور خود رائے لوگ ہی، قوم میں نظریاتی اختلاف کا بیج بوتے، اور خواہ مخواہ انتشار و افتراق پیدا کرتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کے متعلق ہم تسلیم کرتے ہیں، کہ وہ ایک اچھے مورخ بھی ہیں اور ادیب بھی، لیکن یہاں انہیں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے اپنی تائید میں جو تحقیق کی وہ اگرچہ

قابل تسلیم نہیں لیکن قابلِ تعریف ضرور ہے۔ غلطی اپنی جگہ ہی رہی، ویسے، علامہ موصوف کی ساری تحقیق کا تفصیلی اور بسیط جواب، علامہ محمد حفیظ الرحمٰن سیوہاروی نے، قصص القرآن پیر، دیا ہے۔ اور حق ادا کر دیا ہے، جس کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنے وقت کے محقق جناب نعمانی صاحب کو کتنی زبردست غلط فہمی ہوئی اور اسی معاملہ میں وہ غلطی کا شکار نہ ہوئے۔ بلکہ بعض دیگر شرعی امور میں بھی انہوں نے اجتہاد فرمایا اور صرف اپنی عقل سے شرعی مسائل میں کانٹ، چھانٹ کی کوشش کی، مثلاً ان کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو۔

> لڑائی کے زمانہ میں بقر عید کا زمانہ آگیا تھا، مولانا کو خیال ہوا، کہ اگر ہندوستان کے مسلمان اس سال قربانی کے روپے، ترقی کے فنڈ میں داخل کر دیں، تو اچھا ہے، کہ قربانی کا روپیہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا جو اس وقت اپنی حقیقی قربانی کر رہے ہیں، فقہ کی رو سے انہوں نے اس پر غور کیا تو انہیں کوئی مانع نظر نہ آیا۔ لہ)

غالباً تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کا پہلا فتویٰ، صادر فرمایا گیا اور مزے کی بات یہ کہ فقہ کی رو سے انہیں کوئی مانع بھی نظر نہ آیا، حالانکہ یہ بالکل واضح شرعی اصول ہے کہ جو عبادت، جس شکل کے ساتھ فرض یا واجب ہے وہ اسی شکل میں ادا ہوگی، کسی کو اس کی شکل تبدیل کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ مقصدِ عبادت اس کی شکل اختیار کرنے ہی سے حاصل ہوتا ہے، مثلاً، حج بغیر احرام کے نہیں ہو سکتا، کہ اس کا مقصد اسی شکل کو اختیار کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے، قربانی کا مقصد، نہ تو غریبا، ضرورت مند حضرات کی اعانت ہے اور نہ ہی دولت خرچ کرنا، بلکہ اس کا اصل مقصد، اصراقِ دم دخون بہانا ہے

لہ حیات شبلی ص ۲۲۶، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ

تاکہ سنتِ ابراہیمی بھی ادا ہو اور امت مسلمہ میں، اسلام کی حفاظت و بقا کے لیے، جہاد کا جذبہ بھی بیدار رہے، یعنی ہر سال جانوروں کے گلے کاٹنے والی قوم وقت آنے پر، اللہ کی رضا کے لیے، اپنا گلا با آسانی کٹا سکے۔

اگر علامہ موصوف کے فتوے پر غربت و افلاس کے اس دور میں عمل کیا جانے لگے، تو نہ تو، سنت ابراہیمی زندہ رہے گی اور نہ ہی، جہاد کا تصور باقی رہے گا، آج تو مسلمانوں کے معاشرے ہی میں اتنے غریب موجود ہیں، کہ اس فتوے کے مطابق کہیں قربانی ہونا ہی نہیں چاہیئے، لیکن چونکہ فتویٰ غلط تھا، لہٰذا نہ تو علامہ شبلی کے دور میں اس پر کسی نے عمل کیا اور نہ ہی آج عمل ہو رہا ہے، بلکہ کسی کو یہ معلوم بھی نہیں کہ اس قسم کا بھی کوئی فتویٰ دیا گیا تھا۔

علاوہ ازیں، علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت ایسی نہیں کہ امت مسلمہ ان کے موقف کو تسلیم کرے یا اس کی تقلید کرے، جیسا کہ ہمیں خود پہلی مرتبہ ان کے شاگرد رشید، علامہ سید سلیمان ندوی کی مرتبہ "حیاتِ شبلی" پڑھ کر اندازہ ہوا، اور افسوس بھی۔ کاش مولانا ندوی، اس قدر دیانت کا مظاہرہ نہ کرتے تو استادِ محترم کا عالم پردے ہی میں رہتا، وہ لکھتے ہیں۔

> پھر اس اظہار میں بھی کوئی پردہ نہیں، کہ مولانا میں وہ پابندی و اتقاء اور مذہبی تورع و تقدس، جو علمائے دین کا خاصہ ہے نہیں تھا، اور اس لیے ان علماء کی نگاہوں میں جو ان چیزوں کے دیکھنے کے عادی تھے، مولانا کا رنگ کھٹکتا تھا، اور وہ طلبا کے لیے ان کی تعلیم و صحبت کو سخت مضر سمجھتے تھے۔[1]

---

[1] حیاتِ شبلی ص ۴۲۰، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڈھ۔

قارئین، خود فیصلہ فرمائیں، کہ جو شخص پابندِ شرع نہ ہو، تقویٰ و پرہیزگاری سے اتنا عاری ہو، کہ اس کے ہمعصر علماء طالب علموں کے بیے بھی اس کی صحبت کو پسند نہ کرتے ہوں، اس کی تحقیق اور دینی باتوں کا کیا اعتبار، رہا، امت مسلمہ اور علماءِ امت کے بیے اس کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔

اب رہے، مودودی صاحب اور اصلاحی صاحب تو اگرچہ ان دونوں نے تقلید تو نعمانی صاحب ہی کی، کی ہے، لیکن اپنی بات کہنے کا، جو انداز اختیار کیا وہ نہایت ہی، گستاخانہ اور افسوسناک ہے، ان حضرات نے تو اپنے موقف کی تائید میں کوئی دلیل تک دینا گوارہ نہ فرمائی، مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

(۱) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ بدر کے بیان میں تاریخ و سیرت کے مصنفین نے اُن روایات پر اعتماد کر لیا ہے، جو حدیث اور مغازی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں، لیکن ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے، اور قابل اعتماد نہیں۔

(۲) قرآن کا یہ ارشاد ضمناً اُن روایات کی بھی تردید کر رہا ہے جو جنگ بدر کے سلسلہ میں عموماً کتب سیرت و مغازی میں نقل کی جاتی ہیں، یعنی یہ کہ ابتداءً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین قافلہ کو لوٹنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے، پھر چند منزل آگے جا کر، جب معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے تب یہ مشورہ کیا گیا کہ قافلہ پر حملہ کیا جائے، یا لشکر کا مقابلہ! اس بیان کے برعکس قرآن یہ بتا رہا ہے، کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے تھے اسی وقت یہ امرِ حق آپ کے پیش نظر تھا کہ قریش کے لشکر سے مقابلہ کیا جائے اور یہ مشاورت بھی

اسی وقت ہوئی تھی کہ قافلہ اور لشکر میں سے کس کو حملے کے لیے منتخب کیا جائے (۱)

ان عبارتوں کو ذرا غور سے پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ، مصنف تفہیم القرآن کے نزدیک، غزوۂ بدر سے متعلق احادیث اور مغازی کی کتابوں میں جو کچھ موجود ہے، اس کا بڑا حصہ، قرآن کے خلاف ہے، اور قرآن کریم سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ گویا وہ تمام علماء متقدمین ومتاخرین، جن کی فہرست ہم پیش کر چکے العیاذ باللہ، قرآن کو نہ سمجھ سکے یا انہوں نے جان بوجھ کر قرآن کے خلاف لکھا، حضرت ابوالاعلیٰ صاحب ہی ہیں، جنہوں نے قرآن کو سمجھا اور حق بیان کر دیا، اور کوئی دلیل بھی نہ دی، کہ آخر، جمہور علماء امت کا موقف کیوں غلط ہے اور، مودودی صاحب کا ارشاد کیوں صحیح ہے، شاید انہوں نے دلیل دینے کی ضرورت یوں نہ سمجھی ہو، کہ ان کا انداز بیان مجتہدانہ ہے، تو امت کو مجتہد کی بات بلا دلیل تسلیم کرنا چاہتے پس جو انہیں مجتہد سمجھے وہ ان کی بات کے آگے سر تسلیم خم کرے ہم تو انہی کی اقتداء کریں گے، جن کا علم وفضل، تقویٰ وپرہیزگاری اور خدمت دین کے لیے پرخلوص محنت و مشقت، ہم پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

اب، آیئے، دیکھیں، مودودی صاحب کے ہم فکر ونظر، جناب احسن اصلاحی صاحب کیا رقمطراز ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا، ابتداہی سے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایک مقصد حق کے لیے تھا اور وہ مقصد حق یہ تھا، کہ دین کا بول بالا ہو اور کفر کی جڑ کٹے، ظاہر ہے کہ کفر کی جڑ کٹ سکتی تھی تو قریش کی ہزیمت سے کٹ سکتی تھی، نہ کہ ان کے کسی تجارتی قافلہ کو لوٹ لینے

---

(۱) تفہیم القرآن، ج ۲، پ ۹ ص ۱۳۲

سے، اس وجہ سے، سیرت و مغازی کی کتابوں کی وہ روایت قرآن کے الفاظ کے صریحاً خلاف ہے، جس میں، یہ بیان ہوا ہے کہ نعوذ باللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے اُس تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا تھا [۱]

الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ وہی بات ہے، جو مودودی صاحب نے لکھی، مقصد دونوں کا ایک ہی ہے، کہ سیرت و مغازی کی کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا، وہ قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن کو وہ نہ سمجھ سکے، مودودی صاحب اور اصلاحی صاحب نے خوب سمجھا ہے، لیکن ان عبارات سے یہ ظاہر نہ ہوسکا کہ مفسرین کے متعلق ان حضرات کا کیا خیال ہے، شاید انہوں نے خود اپنی تفسیر لکھی کسی دوسری تفسیر کا مطالعہ نہ کیا، ورنہ تفاسیر سے تو ہمارے ہی موقف کی تائید ہوتی ہے ملاحظہ فرمائیے، تفسیر ابن کثیر میں ہے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حضور علیہ السلام مدینہ سے ابوسفیان
انما خرج من المدینۃ طالبا	کے قافلہ کی تلاش میں نکلے تھے۔ جس
لعیر ابی سفیان التی بلغہ خبرھا	کے متعلق آپ کو خبر ملی تھی کہ وہ شام آرہا
انھا صادرۃ من الشام فیھا اموال	ہے، اور اس میں قریش کا مال کثیر ہے۔
جزیلۃ القریش [۲]	......

دیگر تمام مصنفین اور مفسرین نے ملتے جلتے الفاظ میں یہی مؤقف اختیار کیا جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں اور ان کتابوں کی فہرست پیش کرچکے ہیں، جو ہمیں میسر آئیں، غور فرمائیے ان تمام اکابر کی بات قابلِ اعتبار اور قابلِ تقلید ہے، یا جناب

---

[۱] تدبیر قرآن ج ۳، پ ۹ ص ۴۳۵، [۲] تفسیر ابن کثیر، پ ۹، انفال۔

مودودی صاحب اور اصلاحی صاحب کی بات کو تسلیم کر لیا جائے، الحمدللہ ہم اُن حضرات کے متبع ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

عطا فرماتا ہے (اللہ) دانائی جسے چاہتا ہے، اور جسے دانائی عطا کی گئی تو یقیناً اُسے بہت بھلائی دیدی گئی۔ اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر عقل مند۔

(پ ۳، بقرہ، ۲۶۹)

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔

(پ ۲۲، فاطر، ۲۸)

بہر حال، ہمارے مطالعہ کے دوران چونکہ ایک بات سامنے آگئی لہذا، اس کی وضاحت ہمارے لیے لازمی ہو گئی اس سے مقصود نہ کسی کی تردید ہے اور نہ ہی توہین ہمارا اندازِ تحریر و تقریر یہ بالکل نہیں کہ ہم کسی کی دل آزاری کریں۔ یہ ایک تاریخی مسئلہ تھا، جس کی وضاحت ضروری تھی، پس ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کی،

وجہ اختلاف

اب ہم یہ بھی عرض کرنا چاہیں گے، کہ آخر ان چند حضرات نے جمہور علماءِ امت سے اختلاف کیوں کیا ہے تو ہمارے خیال سے ان حضرات نے یہ سوچا کہ، اگر یہ تسلیم کر لیا گیا، کہ حضور علیہ السلام اور مسلمان قافلہ تجارت کا تعاقب کرنے اور اس کے مال و اسباب پر قبضہ کرنے کے لیے مدینہ سے نکلے تھے، تو، اسلام دشمن یہ اعتراض

کریں گے، کہ، اسلام، دوسروں کا مال و دولت لوٹنے اور جان مارنے یا بدامنی پھیلانے کی تعلیم دیتا ہے، پس ان حضرات سے، اس اعتراض کا جواب تو نہ بنا، انہوں نے حقیقت ہی کو بدل ڈالا، یہ تو اُس عورت جیسی کیفیت ہے جو خالی مٹھی دکھا کر بچے کو اپنی طرف بلانا چاہتی ہے، تو بچہ دھوکا کھا جاتا ہے، اور ماں پر یقین کر کے اس کی بات مان لیتا ہے لیکن واضح رہے کہ ہمارا معترض، کوئی بچہ نہیں، جو ہمارے فرار سے مطمئن ہو جائے گا، وہ صرف اعتراض ہی نہیں کر رہا بلکہ ہماری تاریخ کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، اس کو مطمئن کرنے کے لیے ہمیں مقابلہ کرنا ہوگا، اور اپنی تاریخ کی حقانیت کو، اُس پر ثابت کرنا پڑے گا، ورنہ اسلام کو شدید نقصان پہونچے گا، اور، بالفرض یہاں بات بن بھی جائے تو آپ دیگر مقامات پر کیا کریں گے، لہٰذا ہمیں اس اعتراض کا معقول جواب دینا چاہئے، فرار اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

ہمارے خیال میں یہ کوئی خاص اور اہم اعتراض نہیں، پہلے تو، معترض پر واضح کیجئے کہ اسلام نے دنیا کو امن کا پیغام دیا ہے، کسی موقع پر نہ تو بدامنی پیدا کی اور نہ ہی اسلامی تعلیمات سے اس کی کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے پھر اس مخصوص واقعہ کے متعلق یہ وضاحت کیجئے کہ اس قافلہ تجارت پر حضور علیہ السلام کی توجہ، صرف اس لیے ہوئی کہ اس کا مال واسباب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کئے جانے کا فیصلہ، پہلے ہو چکا تھا، لہٰذا اسلام نے طے کیا، کہ، وسائل جنگ کو ہی ختم کر دیا جائے تاکہ، جنگ نہ ہونے پائے جانیں ضائع نہ ہوں اور بدامنی نہ پھیلے، لیکن کفارِ قریش نہ مانے، ان کا قافلہ بعافیت نکل گیا پھر بھی، وہ مسلمانوں سے، آ، ٹکرائے، اور پھر جو ہونا تھا، سو ہو کر، رہا۔

حضور علیہ السلام کا یہ عمل ایک ایسی ہی سیاسی تدبیر، تھا، جیسی تدابیر آج بھی دشمن کو کمزور کرنے، ڈرانے، اور اس پر اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کی غرض سے کی جاتی ہیں آج، یہ دنیا کی دو بڑی طاقتیں، زمین چھوڑ کر، چاند پر جانے کے لیے، اپنی قوموں

کا خون چوس رہی ہیں، ہمارا معترض ذرا، ان سے پوچھے، کہ آخر اس کا، کیا جواب ہے کیا زمین پر جگہ نہ رہی، یا، چاند کی زمین، ہماری اس زمین سے کچھ زیادہ حسین ہے، لیے احمقو! بتاؤ تو سہی کہ دنیا بھوکی مر رہی ہے اور تم اس کی دولت چاند گاڑیوں کی نظر کر رہے ہو، ایسا کیوں ہے، تو جواب یہی ملے گا کہ اصل مقصود چاند پر جانا نہیں، چاند کو تو نشانہ بنایا گیا، درحقیقت یہ دونوں تو نیں، اپنے، اپنے سائنسی کمالات کا مظاہرہ کر کے ایک دوسرے کو مرعوب کر رہی ہیں، اس احمقانہ تدبیر کو ساری دنیا، کمال بھی کہتی ہے، اور امن و امان قائم کرنے کی کوشش بھی کہا جاتا ہے، تو پھر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے، سیاسی تدبیر کے طور پر، صرف ایک قافلہ تجارت کا رُخ کیا تو اُس پر کیا اعتراض کیا جا سکتا ہے آپ نے جو کچھ ارادہ فرمایا، اُس کا آپ کو حق تھا اپنے مشن کی بقا کے لیے، اپنے حدود ریاست کے تحفظ کے لیے، بالکل ایسے ہی جیسے آج ہر سربراہِ مملکت اپنی قوم اور اپنے ملک کے تحفظ کے لیے جو چاہتا ہے قانون بناتا ہے، اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔

مختصر یہ کہ ہمیں اپنے کسی تاریخ واقعہ یا شرعی حکم کو، کس کے اعتراض کی وجہ سے بدلنے کی ہرگز ضرورت نہیں بحمداللہ ہماری تاریخ اتنی صاف اور شریعت اتنی مکمل ہے، کہ اگر کوئی ناسمجھ اس پر اعتراض کرے تو ہم پوری قوت کے ساتھ اس کو جواب دے سکتے ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ مطمئن ہو یا نہ ہو، کیونکہ اطمینان کا تعلق جواب کے صحیح ہونے سے نہیں۔ اطمینان تو دل سے متعلق ہے اور دلوں کا پھیرنے والا تو، اللہ ہی ہے۔ کفار نے حضور علیہ السلام کے زمانہ ہی میں اعتراضات کیئے، قرآن پر، اعتراضات کیئے اسلام کے احکام پر اعتراضات کیئے، ان کو جواب دیئے گئے، خود، اللہ کے نبی نے جواب دیئے، آپ سے زیادہ صحیح جواب دینے والا کون ہو سکتا ہے، اور صرف جواب ہی نہ دیئے، بالکل معجزات کا مظاہرہ فرما کر اپنی نبوت کو ثابت کر دکھایا، لیکن،

جنہیں ماننا نہ تھا، انہوں نے کسی طرح مان کر نہ دیا، تو آج کے اسلام دشمن کیسے مان سکتے ہیں پس ہمارا کام منوانا اور مطمئن کرنا نہیں ہمارا کام تو اس انداز پر جواب دینا ہے کہ ہم خود اپنے جواب پر مطمئن ہوں۔

۲۔ صحابہ کی ناگواری

دوسری وضاحت جو ضروری ہے، وہ یہ، کہ غزوۂ بدر کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے، بعض صحابہ کی، اس موقع پر ناگواری کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہ ناگواری اس حد تک تھی کہ وہ یہ خیال کرنے لگے تھے، کہ انہیں "موت کے مونہہ میں دھکیلا جا رہا ہے،" ملاحظہ ہو سورہ انفال ۶

یہ اُس وقت کی حالت ہے جب مقام صفراء پر حضور علیہ السلام نے اُنہیں بتایا کہ تجارتی قافلہ جس کے لیے ہم مدینہ سے چلے تھے وہ تو ہماری زد سے نکل گیا، لیکن کفار قریش کا لشکر بدر میں ہمارا، انتظار کر رہا ہے، اور خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ تمہیں دو قافلوں میں سے ایک پر ضرور غلبہ عطا فرمائے گا، پس اب تمہارا کیا خیال ہے، اس موقع پر بعض صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ ہم تو جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں نکلے، بے سروسامان ہیں، جب کہ دشمن پوری طرح لیس ہو کر آیا ہے وہ ہم سے تعداد میں بھی زیادہ ہے، ہتھیار بھی پورے لایا ہے اس حال میں اُس کے سامنے جانا اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینا ہے۔

صحابہ کا یہ خیال بالکل فطری تھا، جیسا کہ عام لوگوں کو ایسے موقع پر خیال ہوتا ہے، یہ، نہ تو اُن کے تقوے کا خلاف تھا اور نہ ہی حضور علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری سے گریز تھا، صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الظاهر ان المراد هي الكراهة	ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ طبعی کراہت
المطبعية التي لا تدخل	ہے جو کسی کے قدرت و اختیار میں نہیں
تحت القدرة والاختيار	ہوتی، پس یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ حال

فلا یرد انھا لا تلیق بمنصب صحابہ کی شان کے مطابق نہ تھا۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے کسی بہادر پہلوان کے سامنے، اچانک سانپ آ گرے، تو وہ ضرور ڈرے گا، بھاگے گا، اس کا مطلب یہ نہیں لیا جائے گا، کہ وہ بزدل ہے بالکل اسی طرح صحابہ کا حال ہوا تھا، کہ اچانک ایک بڑے لشکر کی خبر سن کر، انہیں، کچھ پریشانی ہوئی، لیکن جب اُن کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما لیا، اور آگے بڑھے، تو ان میں سے کسی نے بھی فرار اختیار نہ کیا، بلکہ وہ وقتی کیفیت ختم ہو گئی اور ہر ایک شوق شہادت میں مستانہ وار، میدان جنگ میں پہنچ گیا، اور جوں جوں، اللہ کی رحمتیں اُن پر نازل ہوتی رہیں ان کے دل بڑھتے اور قدم مضبوط ہوتے گئے، حتیٰ کہ جب جنگ کا وقت آ گیا تو ہر ایک یہی چاہنے لگا، کہ پہلے، اُس کو جام شہادت نوش کرنے کا موقع ملے اب تو دنیا کی کھجوریں اور پانی بھی بے مزہ لگنے لگا، صرف ایک ہی خواہش تھی کہ شہید ہو کر، جنت میں پہنچیں اور یا فاتح بن کر، آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے، جنتی ہونے کی ضمانت لیں۔

پس ایسا ہی ہوا، چودہ جاں نثاروں نے شہید ہو کر، جنت کی راہ لی، اور حیات ابدی کا انعام پایا اور فاتحین کو مژدہ ملا، کہ نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا:

اطلع اللہ علی اھل بدر فقال	اہل بدر اللہ کی نظر رحمت ہوئی اور اُن
اعملوا ما شئتم فقد غفرت	سے فرمایا کہ اب تم جو چاہو کرو بے شک
لکم[1]	میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے۔

یہ اہل بدر کی عظمت اور اُن سے محبت کا اظہار ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں، کہ ان کے لیے شرعی احکام کی پابندی نہ رہی، ہاں اگر وہ، اس جہاد کے بعد کوئی نفلی عبادت نہ کرتے تب بھی یقیناً مغفور اور جنتی ہی ہوتے، رضی اللہ عنہم۔

---

[1] روح البیان، ج۔۳، انفال، [2] روح البیان ۳۴، انفال، ومدارج النبوت۔

۴۔ مالِ غنیمت

غیر مسلموں کا وہ مال، جو اُن سے جنگ، و قتال، اور ان پر فتح و غلبہ کے بعد، مسلمانوں کو ملے "غنیمت"، کہلاتا ہے۔

فتح و غلبہ کے بعد دشمن کے مال و اسباب پر قبضہ کر لینا، ان کے باقی لوگوں کو قیدی بنا لینا، ایک فطری عمل جو ہر زمانہ میں جاری رہا اور آج بھی ہے، لیکن اس سلسلے میں ہمیشہ دو نظریئے رہے ہے، ایک تو یہ کہ فاتح قوم کے سپاہی دشمنوں پر غالب ہونے کے بعد، ان کا مال دولت اس خیال سے لوٹتے ہیں کہ یہ ہماری جنگی کاوشوں اور تکالیف کا نعم البدل ہے، اب یہ ہمارا حق ہے، اس نظریہ کے لوگوں میں یہ طریقہ رہا ہے، کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگی وہ اس کی ہو گئی، حتیٰ کہ زیادہ سے زیادہ دولت پر قبضہ کرنے کی غرض سے وہ آپس میں ہی لڑنے جھگڑنے لگتے اور ایک دوسرے کو مارنے لگتے ہیں، یہ نظریہ اُن اقوام کا ہے جو، دنیا میں جنگ و قتال، اپنی عزت و شہرت کے لیے اپنے حدودِ سلطنت کو وسیع تر کرنے کے لیے، یا دوسروں کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے کرتی ہیں۔

دوسرا نظریہ، یہ ہے، کہ اس کائنات کی ہر چیز اللہ کی ہے اس نے تمام انسانوں کو اپنی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا اختیار تو دیا، لیکن اپنے احکام کی پابندی اور اطاعت شعاری بھی ان پر لازمی قرار دیں پس وہ لوگ جو وہ لوگ جو مالکِ حقیقی سے کھلم کھلا بغاوت کریں، وہ اس کی نعمتوں کے غاصب ہیں، جب ایسے لوگوں پر، اللہ، اپنے مطیع و فرمانبردار بندوں کو غالب کر دے، تو ان کو چاہیئے کہ وہ باغیوں کا مال و دولت خدا کے سپرد کر دیں، جو حقیقتاً اس کا مالک ہے، یہ نظریہ اہل ایمان کا ہے، خدائیوں اور رسولوں کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے والوں کا ہے اس نظریہ کے حامل لوگوں کا طریقہ، حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے، یہ رہا، کہ جب وہ جہاد سے فارغ ہوتے

تو دشمن کا جو کچھ بھی مال و دولت اُن کے ہاتھ آتا، وہ اس کو ایک میدان میں جمع کر دیتے تھے، اور آسمان سے ایک آگ آتی، جو اس کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی، یہ لوگ بے چینی سے آگ کے آنے کا انتظار کرتے تھے اور جب سب کچھ جل جاتا، تو خدا کا شکر ادا کرتے، اور خوشی منایا کرتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ جہاد کے لیے قبول ہونے اور خدا کے راضی ہو جانے کی علامت تھی۔[۱]

شریعتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے نظریہ تو یہی باقی رکھا، لیکن طریقہ کار تبدیل کر دیا غزوۂ بدر ہی کے موقع پر جب مسلمانوں میں "غنیمت" کے سلسلے میں فکری و ذہنی اختلاف پیدا ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے اس سے متعلق اپنا حکم نازل فرمایا ملاحظہ ہو، سورۂ انفال آیت نمبر ۴۱،

مالِ غنیمت پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا، چار حصہ، غازیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے کہ انہوں نے اپنے مالکِ حقیقی کی رضا کے لیے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالا تھا، اپنا سب کچھ چھوڑ کر دشمنِ اسلام سے مقابلہ کے لیے میدانِ جنگ میں کود پڑے تھے، پس اب اللہ اپنے فضل و کرم سے، انہی کو اپنی نعمتوں کا مالک بنایا تھا کہ یہ ان سے فائدہ حاصل کریں، اور ایک حصہ اللہ کا رہے گا۔ جو اس کے نبی کے دربار میں پیش کر دیا جائے کیونکہ اس کائنات میں آپ ہی خدا کی عطا و دین سے اُس کی ملکیت کے مالک و مختار ہیں، پس آپ اختیار رہے، کہ اس پانچویں حصہ کو جیسے چاہیں، اپنے، اپنے اعزاء و اقرباء، یتامیٰ و مساکین اور مسافروں کے لیے صرف کریں۔

پس حکمِ خداوندی کے مطابق، غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت کو بھی اسی طرح تقسیم کیا گیا، اور بعد میں جو غزوات ہوئے اور ان سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا، اس کو بھی اسی طرح

---

[۱] تفسیر روح البیان، سورۂ انفال، و دیگر تفاسیر۔

تقسیم کیا گیا، حتیٰ کہ خدا نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی کا وہ وقت بھی دکھایا، جب قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر ان کا قبضہ ہوا، جس سے، اُن کے اونٹ لدھ گئے اور مسجد نبوی کا صحن بھر گیا، تاریخ اسلام گواہ ہے، کہ مجاہدوں اور غازیوں نے باوجود ضرورت کے، کبھی اپنی مرضی سے "غنیمت کا، دھاگہ" یا ایک سوئی تک اپنے لیے استعمال نہ کی، جب انہیں، اُن کا حصہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے امیر نے دیا، تو انہوں نے اس کو اپنے لیے حلال جانا، اور اس کے ملنے پر خوش ہوئے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پانچواں حصہ ملتا رہا، اس سے بھی انہوں نے اپنے لیے کبھی تو صرف ایک تلوار اور کبھی اتنا لیا، کہ وقتی طور پر، ازواج مطہرات کے نان و نفقہ کا انتظام ہو سکے، باقی سب، آپ نے دوسرے حقداروں میں تقسیم فرمایا اُس میں بھی، یتامیٰ و مساکین کی ضرورت کا ہمیشہ زیادہ خیال رکھا، حتیٰ کہ، ایک مرتبہ آپ کی صاجزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، نے اپنے لیے ایک خادم کی درخواست پیش کی، تو جنتی بیٹی کو جواب ملا، کہ "میرے سامنے تمہاری ضرورت سے زیادہ، اہل صفہ کی غربت و افلاس اور ان کی بھوک ہے میں ان کی ضرورت پوری کرنا چاہتا ہوں، لہذا تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔" [1]

حضور علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی "مال غنیمت" کے متعلق یہی حکم ہے، اب یہ مال امیر المومنین کی نگرانی میں تقسیم ہوگا، اور اللہ کا پانچواں حصہ، یتامیٰ مساکین اور مسافروں پر تقسیم کر دیا جائے گا رسول کی دولت کا کوئی وارث نہیں ہوتا لہذا اب آپ کا حصہ علیحدہ نہیں کیا جائے، اور "ذوی القربیٰ" آپ کے اعزاء و اقرباء کا اب پتہ چلانا دشوار ہو گیا ہے، لہذا اُن کا حصہ بھی نہیں رہا، جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب موجود رہے، امام وقت نے ان کو حصہ دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت

---

[1] بخاری شریف

امام حسن وحسین کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیتے تھے۔

مال غنیمت کی یہ تقسیم، اس قدر، منصفانہ، اور انوکھی ہے، کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، نیز، حضور علیہ السلام کے طفیل، امت مسلمہ پر خدا کا یہ خصوصی فضل ہے کہ اُس نے مال غنیمت اُس کے لیے حلال طیب کر دیا، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

احلت لی الغنائم ولم تحل لنبی قبلی (۱) میرے ہی لیے مال غنیمت حلال کیا گیا، مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھا۔

یہ اللہ کا خصوصی کرم تھا، اپنے محبوب علیہ السلام پر، جس کا فیض، قیامت تک کے لیے، امت مسلمہ کا نصیب بنا۔

۴۔ عتاب

بدر کے ستر قیدیوں کے متعلق حضور علیہ السلام نے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرمایا تو تین نظریے سامنے آئے، جیسا کہ آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، پس اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق صحابہ کو، قیدیوں سے فدیہ لے لینے کا اختیار دیا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا، کہ ان ستر کے بدلے، آئندہ جنگ میں، تم میں سے، ستر ہی شہید ہوں گے (۲) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے، صحابہ نے آپ کے اس ارشاد پر خوشی کا اظہار کیا، کہ یہ تو بہت ہی اچھا ہے کہ فدیہ سے ہمیں دنیا کی دولت ہاتھ آئے گی، شہادت، جنت اور ہمیشہ کی زندگی کا ذریعہ ہو گی۔

اس سے پہلے بھی، میدان جنگ میں، شکست کے بعد جونہی، کفار بھاگنے شروع

---

(۱) الشفا، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر ابن کثیر، روح البیان (۲) تفسیر روح البیان)

ہوئے، تو مجاہدین صحابہ نے ان کا تعاقب کرنے اور ان کو مزید مارنے کی کوشش کے بجائے ان کا مال و اسباب جمع کرنا شروع کر دیا، اور جو کافر ہاتھ لگے، ان کو گرفتار کیا، سعد بن معاذ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما، کو، یہ عمل سخت ناگوار بھی معلوم ہوا تھا۔

فدیہ لینے کے فیصلہ کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

نبی کے لیے مناسب نہیں کہ اس کے پاس جنگی قیدی ہوں، یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرے زمین میں، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ بڑا ہی غالب (اور) دانا ہے اگر پہلے سے حکم الٰہی نہ ہو چکا ہوتا، تو تمہیں بڑی سزا ملتی، اس کی وجہ سے جو تم نے لے لیا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پس تم کھاؤ، جو تم نے غنیمت کا مال حاصل کیا ہے، حلال (اور) پاکیزہ (جان کر) اور ڈرتے رہو، اللہ سے، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

(پ ۱۰، انفال، ۶۷، ۶۸، ۶۹)

گویا اللہ تعالیٰ کو صحابہ کے یہ دونوں عمل پسند نہ آئے، یعنی دشمن کو قیدی بنانے، اس کے مال و اسباب پر قبضہ کرنے میں عجلت، اور قیدیوں سے فدیہ لینا، پس اللہ نے، اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور یہاں تک فرما دیا کہ یہ تمہاری اجتہادی غلطی تھی جس کو معاف کرنے کا قانون ہم بنا چکے ہیں، اس لیے تم بچ گئے، ورنہ اسی غلطی کے

سبب، تم پر، ہمارا سخت عذاب نازل ہو جاتا، نیز، چونکہ تم ہمارے محبوب کے پیارے ہو، لہذا، ان کے صدقے میں، اب ہم تمہاری اسی غلطی کو تمہارے اور پوری امت مسلمہ کے لیے اپنے انعام کا ذریعہ بنائے دیتے ہیں۔ پس اب قیامت تک کے لیے یہ قانون ہو گیا، کہ دشمن کی جو دولت بھی، اس پر غلبہ اور فدیہ کے ذریعہ حاصل ہو، یعنی مال غنیمت، تم اسے اپنے استعمال میں لا سکتے ہو، وہ تمہارے لیے صرف حلال ہی نہیں، بلکہ حلال طیب ہے، ایسا مال ہے جس کے پاک و صاف ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اسلام کے باغیوں کی دولت دراصل، اللہ کی ملک ہوتی ہے، اب اللہ اپنے سپاہیوں کو بطور انعام، ان کے جہاد سے خوش ہو کر، عطا فرما رہا ہے پس یہ نہایت ہی پاکیزہ نہایت ہی متبرک، مال ہے، اسے تم خدا کی نعمت یقین کرو، اور اپنے کام میں لاؤ۔

اگر آیت قرآنی پر غور کیا جائے، تو صحابہ کے عمل پر خدا کا اظہار ناپسندیدگی، ان کے بلند مرتبہ میں کمی کے لیے نہیں، بلکہ ان کی عظمت و بلندی کو مزید اجاگر کرنے کے لیے ہے، کہ امت مسلمہ، اس حقیقت کو جان لے، کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جان نثار مجھے اس قدر محبوب ہیں کہ ان کی غلطیاں میرا قانون بن کر، پوری امت کے لیے باعث رحمت بن جاتی ہیں، رہا گناہ، تو گناہوں سے تو اللہ نے اپنے معصوم نبی کے صدقہ آپ کے صحابہ کو محفوظ کر دیا ہے، ہاں ان کی غلطی پر انہیں متنبہ ضرور کر دیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اپنے غفور، رحیم، ہونے کا ذکر بھی کیا جاتا ہے تاکہ علم و بصیرت رکھنے والے یہ جان لیں کہ رب کی بخشش اور اس کے رحم کی مستحق، سب سے پہلے اس کے نبی کے ساتھی، صحابہ ہیں، جن سے وہ راضی ہے، اور وہ، اس سے راضی ہیں۔

اس عتاب یا اظہار ناراضگی کا تعلق، نبی مکرم علیہ السلام سے قطعاً نہیں، کہ ان کے صدقہ میں تو، ہمیشہ کے لیے امت سے عتاب اٹھا لیا گیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ — اور، اللہ، انہیں عذاب نہیں دے گا،

وَ اَنْتَ فِیْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ	حالانکہ آپ اُن میں تشریف فرما ہیں، اور اللہ
اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ	انہیں عذاب نہ دے گا، حالانکہ وہ مغفرت
یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝	طلب کر رہے ہوں۔

(پ، ۹، انفال، ۳۳)

حدیث شریف میں آیا، کہ، اظہارِ ناراضگی و عتاب کی آیت نازل ہونے پر حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روئے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو روتے دیکھا تو انہوں نے نبی کریم علیہ السلام سے رونے کی وجہ معلوم کی، پس آپ نے فرمایا۔

ابکی علی اصحابك فی اخذھم الفداء	میں تمہارے ساتھیوں کے فدیہ قبول کرنے
وَلقد عرض علی عذابھم ادنیٰ	پر رو رہا ہوں اور، ان کا عذاب، مجھے اس
من ھٰذہ الشجرۃ ۔	درخت سے بھی زیادہ قریب دکھایا گیا۔

یہ آپ کا کمالِ نبوت ہے کہ جو عذاب نازل ہو سکتا تھا وہ آپ کو دکھا بھی دیا گیا، اور عذاب نازل نہ ہونے کے باوجود اُس پر آپ کا رونا، آپ کی شانِ عبدیت ہے، کہ بلند مرتبہ، نبی، عذاب الٰہی کو ملاحظہ فرما کر رو، رہے ہیں، اُس پر نیز یہ تعلیم ہے، مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے لیے کہ جب کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم عذاب الٰہی دیکھ کر رو رہے ہیں، تو تمہاری عبدیت کا تقاضا، اور قرب الٰہی کی بقا کا ذریعہ یہی ہے، کہ تم عذاب نہ دیکھو تب بھی روتے رہو، ڈرتے رہو، اور توبہ و استغفار کرتے رہو۔

---

(۱) تفسیر روح البیان، ابن کثیر،

اختتام

ان چند امور کی وضاحت کے بعد ہمارا یہ مقالہ اختتام پذیر ہوتا ہے، ہمیں یقین ہے کہ ہمارے قارئین نے نہایت دلچسپی اور عقیدت سے، اس تحریر کا مطالعہ کیا ہے، جس سے خاصی معلومات بھی ہوئیں اور کئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہوا۔

ہم دعا گو ہیں، کہ اللہ، رب العزت، جل جلالہ وعم نوالہ، شہداء و شرکاء بدر اُن کے ہمارے اور کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہمارا یہ نذرانہ عقیدت ومحبت قبول فرمائیے، نیز ہمیں، ہمارے معاونین اور قارئین کو دنیا و آخرت میں اجرِ عظیم عطاء فرمائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ٥

"شکریہ"

"یوم الفرقان" کی تالیف، طباعت واشاعت میں تعاون کرنے والے جملہ احباب و مخلصین اور اس کے مطالعہ میں وقت صرف کرنے والے قارئین کا، میں شکریہ، ادا کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ، اُن کو دنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، اور مجھ حقیر ناچیز کو خدمتِ دین کی مزید توفیق مرحمت فرمائے، کہ یہی میرے لیے توشۂ آخرت ہے۔

آمین بجاہ شفیعِ المذنبین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

فقیر سید سعادت علی القادری